الفاروق

الحمدللہ والمنتہ کہ دریں زمان سعادت اقتران
کتاب مستطاب لاجواب المسمےٰ بہ

الفاروق شبلیؒ

شیخ برکت علی اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب
کشمیری بازار۔ لاہور

ملنے کا پتہ:- شیخ برکت علی اینڈ سنز ناشران قرآن مجید و کتب اسلامی و تعلیمی۔ پوسٹ بکس میکلوڈ روڈ۔ بندر روڈ کراچی ۱

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سلسلۂ

نامورانِ اسلام

الفاروق

یعنی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصّل سوانح عمری

حصۂ اوّل و حصۂ دوم

مؤلّفہ

شبلی نعمانی

حسب فرمائش

شیخ برکت علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور

فہرست مضامین حصہ اوّل الفاروق

حصۂ اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے ہمہ در پردہ نہاں راز تو بے خبر انجام۔ ز آغاز تو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

تمہید تاریخ کا عنصر

تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں۔ جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے مثلاً استدلال و اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے۔ لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا تو تاریخ و تذکرہ بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کے لئے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لئے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب، ترک، تاتار، ہندی۔ افغانی مصری، یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلہ سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور در حقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے۔ کہ ہم نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا

اسلام کے عہد میں بانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا میں پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ تالیف و تصنیف عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے جو کتاب لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی ٭

امیر معاویہ المتوفی سنہ ۶۰ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک خاص شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اسکو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعاء سے بلایا۔ اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اسکی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک والاخبار الماضیین لکھا ہے غالباً وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہؓ کے حکم سے تیار ہوا تھا عبیدہ کے بعد عوانہ بن الحکم المتوفی سنہ ۱۴۷ھ کا نام ذکر کے قابل ہے۔ جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی سنہ ۱۱۷ھ میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی ٭

سنہ ۱۴۳ھ میں جب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو علوم کیساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحٰق المتوفی سنہ ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کیلئے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی سنہ ۱۴۱ھ نے آنحضرت کے مغازی قلمبند کئے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے انکی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی۔ واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام قریش کے پیشے قبائل عرب کے مناظرات۔ جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد۔ ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہانتک کہ چوتھی صدی تک یہ فن گویا بے پایاں نیا دہ ہو گیا۔ اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی۔ کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا ٭

---

۱ موسیٰ بن عقبہ کے لئے تہذیب التہذیب مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو ۱۲

مؤرخین مغازی

اس دور میں بیشمار مؤرخ گذرے ہیں جن میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھیں، ان کی فہرست یہ ہے:-

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
یحییٰ مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال	
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاذ الاستاذ تھے ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔
ابوالبختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم وکتاب فضائل الانصار	
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ھ	فتوحات خالد بن الولید	اس نے آنحضرت اور خلفاء کے حالات
ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی المتوفی ۲۲۴ھ		میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کئے۔ مدائنی کا شاگرد تھا۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی اسماء الخلفاء وکتابہم	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا۔
عبدالرحمن بن عبدہ	مناقب قریش	مشہور مؤرخ ہے۔
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب امراء الکوفہ، کتاب امراء البصرہ	

ان لوگوں کی تصنیفات موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اسکے قریب قریب زمانے میں لکھی گئیں انہیں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کے نام انکے مصنفین کے نام سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ المتوفی ۲۷۶ھ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب مختصر ہے لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ بھی مشہور مصنف ہے تاریخ میں اسکی کتاب کا نام

الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے اگرچہ اسکا استاد واقدی ضعیف الروایت ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اُسنے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے۔ اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے۔ مجھکو اسکے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اسکی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا۔ اسلئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اسکی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام مشہور ہے۔ یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحتِ روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان۔ انساب الاشراف، پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں اور انکے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کیساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گذرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کیساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کیساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۸۶ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آجتک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصانیف ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

مورخین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے۔ جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین بھی اگرچہ بے شمار مؤرخ گذرے ہیں جن میں ابن الاثیر، سمعانی، ذہبی، ابوالفدا، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا قدما کی جو خصوصیاتیں تھیں

قدما کی خصوصیتیں

کھو دیں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اسپر کچھ اضافہ کرسکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اسکا قالب بدل دیا تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے اور در حقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں لیکن جہاں تک زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وھلم جرا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اسکی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدما کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے۔ جن سے زمانہ کی معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کرسکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہرحال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے آجکل ترقی کی ہے۔ اسکے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کارآمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کیلئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فن تاریخ کی ماہیت

تاریخ کی تعریف

اور حقیقت کیا ہے۔ تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے۔ ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے۔ ان حالات اور واقعات

کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانہ سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی چونکہ یہ مسلّم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن معاشرت، خیالات، مذاہب موجود ہیں۔ سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہیں۔ جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہئے تھے اسلئے اُن گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور انکو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔

ان تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے۔ اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کئے جائیں یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا۔ فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا۔ اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں۔ اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آسکے۔ اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے تاریخ کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں درایت کا پلہ ہمیشہ روایت سے بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی۔ اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے۔ لیکن انکو اسقدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اسکے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا۔ کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں۔ ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے مثلاً لڑائی کے

واقعات فنِ حرب سے، انتظامی امور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مورخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اسکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی کی ہو سکتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پرداز کا گذر ہو جو انجنیری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایہ میں کریگا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اس کے بیان میں خاص انجنیری کے علمی اصول اور اسکی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکینگی یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالاتِ جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا یہی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون دان نہ تھے اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فنِ جنگ، اصولِ قانون، اصول سیاست، علمِ اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں پہنچا ہوتا۔

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود انکی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے۔ اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابطہ تھے یا نہیں۔ درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی یہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اس کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ جو فنِ رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فنِ تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری۔ فتوح البلدان۔ طبقات ابنِ سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں یورپ نے فنِ تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں مسلمان

مورخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم، ابن القیم، خطابی، ابن عبد البر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے جب فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:

ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادة وقواعد السیاسة وطبیعة العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فیما لم یؤمن فیها من العثور

خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر قیاس نہ کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کیلئے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کیے ان کی تلافی کہاں تک کی جا سکتی ہے۔ یعنی ہم اپنی کتاب "الفاروق" میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہم کو ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلافی ہو سکتی ہے مثلاً الاحکام السلطانیہ للماوردیؒ و مقدمہ ابن خلدونؒ و کتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ محمد بن خلف ابن وکیع سے خاص صیغۂ قضا کے متعلق ان کا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں

کتاب العمدہ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں[۱]۔ یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اسلئے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کیلئے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اسکے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام میں آ سکتے ہیں حسب ذیل ہیں:-

۱- واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں۔

۲- اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳- واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴- اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اسمیں اسکے قیاس و رائے کا کسقدر حصہ شامل ہے؟

۵- راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔

۶- اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور انکے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں۔ ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانہ کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کیساتھ قدیم زمانہ کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر تعصب آتا

---

[۱] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتبخانہ میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتبخانہ میں ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔ ۱۳

گیا۔ اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج، طبری وغیرہ) میں اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ روایت اس قید کیساتھ منقول ہے کہ جسوقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اسوقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ "جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں۔ ان کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے"۔

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر و تذلیل کیلئے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تر تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنیکی ہدایت کی تھی تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئیگی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی حیثیت کیساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جسقدر انہیں تنقید ہوتی گئی ہے اسیقدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں۔ فدک۔ قرطاس۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، بخاری سب نے نقل کئے ہیں۔ لیکن جسقدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے۔ اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے۔ چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئیگا۔

ان ہی اصول عقلی کی بناء پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت کے اعتبار سے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات مدتوں کے بعد تحریر میں آئے۔ اس بناء پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی کیفیت۔ فریقین کے سوال و جواب۔ ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی۔ پہلوانوں کے داؤ پیچ۔ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اسلئے انکی نسبت جو واقعات منقول ہیں۔ وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے۔ اور انکی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا جسکی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اسکے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس سبب سے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے انکی شہرت تھی۔

حضرت عمرؓ کے حکمت آمیز فقرے جو منقول ہیں انکی نسبت یہ قیاس کرنا چاہئے کہ جو فقرے زیادہ

نہ پُر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح تقریر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا بلاغت تک اثر چار رہتا ہے - جنہیں کوئی خاص ندرت اور اثر ہوتا ہے - اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جنمیں احکام شرعیہ کا بیان ہے - کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے *

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے - اور باوجود اسکے انکا ذکر آجاتا ہے ان کی نسبت سمجھنا چاہیئے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا مثلاً ہمارے مؤرخین رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے عادی نہیں ہیں - باینہمہ حضرت عمرؓ کے حال میں عدالت - پولیس - بندوبست - مردم شماری وغیرہ وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے - اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جس قدر قلمبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے - حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف - سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف انمیں زیادہ تھے - لیکن اسکے متعلق ان تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیئے جو حلیۃ الاولیا - ابن عساکر - کنز العمال - ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے - اس لئے خود بخود انہیں مبالغہ کا رنگ آگیا ہے - اسکی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں - ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں - اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں انمیں بڑی احتیاط کی ہے - اور ریاض النضرہ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیا کی روایتوں کو بالکل نظرانداز کیا ہے *

تاریخ کا طرز تحریر

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے - آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے - فلسفہ اور انشا پردازی سے مرکب ہیں - اور اس طرز سے بڑھکر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہوسکتا - لیکن درحقیقت تاریخ اور انشا پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں - ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے - نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کیساتھ اسکی ہیئت - شکل - سمت - جہت - اطراف - اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے - بخلاف اسکے مصور صرف ان ہی خصوصیتوں کو لیگا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھائیگا - جن میں کوئی خاص عجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوت متخیلہ پر اثر پڑتا ہے - مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مؤرخ لکھیگا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات دیگا - لیکن ایک انشا پرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کریگا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت بیان کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات

باوجود سادہ ہونے کے نظر نہیں آتیں ۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے یورپ میں آج کل جو بڑا مورخ گزرا ہے اور طرز جدید کا موجد سمجھا گیا ہے۔ اس کی تعریف ایک یورپین فلاسفر نے ان الفاظ میں کی ہے۔ اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا وہ نہ ملک کا ہمدرد و نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے ۔

یہ امر بھی جتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لئے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے ۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لئے ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا ۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں۔ اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آ سکتے ہیں اس لئے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آ گئے ہیں اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے۔ وہاں اس عنوان کی حیثیت زیادہ نمایاں دکھائی گئی ہے ۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے۔ جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے ۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض النضرۃ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے۔ اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی ہے غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے ۵

من کہ یک چند زدم مہر خموشی بر لب پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزاں بنمود		کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردیم لختے از ذوق خودش نیز تماشا کردیم	

محفل از بادۂ دوشینہ نیاسودہ ہنوز	بادۂ تند تر از دوش بہ مینا کردم
باز خواہم کہ دم در تن اندیشہ رواں	من کہ دریوزۂ فیض از دم عیسیٰ کردم
ہمنشیں نکتۂ حکمت ز شریعت مہجست	لختے از نسخۂ روح القدس املا کردم
شاہد راز کہ کس پردہ ز رویش نگرفت	گرہ از بند قبایش بہ فسوں وا کردم
بسکہ ہر بار گہر بار گذشتم زیں راہ	دستِ معنی ہمہ پر لولوئے لالا کردم

نام ونسب - سن رشد وتربیت

سلسلۂ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح ابن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارھویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے ان ہی کی اولاد ہے۔ جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا۔ اور ان کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے یعنی ہاشم۔ امیہ۔ نوفل۔ عبد الدار۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ سہم۔ حضرت عمرؓ عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی مرۃ تھے۔ جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب رسول صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے۔ اس لئے دنیاوی جاہ وجلال کیساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی ان پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی۔ حجاج کی خبر گیری۔ سفارت شیوخ قبائل کا انتخاب۔ فیصل مقدمات۔ مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمرؓ کے جدّ اعلیٰ تھے۔ ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے[1]۔ اس کے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا۔ کہ برابر کے رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعویٰ ہوتا۔ تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اس کے سامنے

[1] یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے ۱۲

اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کئے جاتے ہیں ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور زورِ تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے جدِ امجد

حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے عالی مرتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد عبد المطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوے پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حَکم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے:۔

اَتُنافِرُ رجلاً هُوَ اطولُ مِنْكَ قَامَةً وَاَشَمُّ وسامةً وَاَعْظَمُ مِنْكَ هَامَةً وَاَكْثَرُ مِنْكَ وَلَدًا وَاَجْزَلُ مِنْكَ صَفَدًا وَاِنّي لَاَقُولُ هٰذا وَاِنَّكَ لَبعيدُ الغضبِ رفيعُ الصَّوتِ فی العرب جاء المريرة الجبل العشيرة۔

حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو و خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید[1] جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجے کے شخص تھے۔ اور وہ ان ممتاز بندگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا۔ اور موحد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔ زید بت پرستی اور رسومِ جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے۔ اور لوگوں کو دینِ ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے۔ اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے۔ جن میں حضرت عمرؓ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا میں جا رہے۔ تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔ جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دو شعر یہ ہیں:۔

اربًّا واحدًا ام الفَ ربٍّ	ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو
ادین اذا تقسّمت الامور	جب امور تقسیم ہو گئے۔
ترکت اللات والعزّیٰ جمیعًا	میں نے لات و عزیٰ (بتوں کے نام تھے) سب کو خیرباد
کذالک یفعل الرجل البصیر	کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے والد خطاب

خطاب۔ حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد شمس میں

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ کتاب الملل والنحل اور معارف ابن قتیبہ میں ملے گا۔ ۱۲

مدت سے عداوت چلی آتی تھی اور چونکہ عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اسلئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی۔ تو خطاب نے یہ اشعار کہے[1]

اتوعدنی ابو عمرو و دونی　　رجالٌ ینهنها الوعید
رجال من بنی سهم بن عمرو　　الی ابیاتهم یاوی الطرید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں انکو تماما نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب انہوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں باقی رہے۔ جن میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا اور مروہ کے بیچ میں تھا حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس کو ڈھا کر حاجیوں کے اترنے کے لئے میدان بنا دیا۔ لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمرؓ کے خاندان کے قبضہ میں رہیں۔[2]

خطاب نے متعدد شادیاں اونچے اونچے گھرانوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی ماں جن کا نام حنتمہ تھا۔ ہشام ابن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے لڑنے کو جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے انکو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت

حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ انکی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً ایک غل اٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا اس سے قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ اور کیونکر معلوم ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے۔ جن کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد کو پہنچ کر خطاب ان کے باپ نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ ۱۳　[2] تاریخ مکہ الازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب

شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ قومی شعار تھا۔ لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تھے۔ تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے۔ تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ کے قریب قدید سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا ادھر گذر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ اور تھک کر بیٹھ جاتا تھا۔ تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا تھا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں[1]۔

شباب کا آغاز ہوا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور جو لازمۂ شرافت خیال کی جاتی تھیں نسب دانی سپہ گری، پہلوانی اور مقرری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں بڑے نساب تھے[2]۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ سفارت اور فیصلہ منافرہ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے۔ تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا۔ یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے۔ اس لئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی، حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدہ خنسا۔ جن کو شاعری اور ملکۂ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا۔ اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل کشتی لڑا کرتے تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔ شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲ [2] کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۷-۱۲۲

اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہوجاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں۔ لیکن یہ امر تمام مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا۔ اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا۔ جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار انکو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانہ میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے۔ جو لکھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک عمر بن خطاب تھے[1]۔

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اسلئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل انکی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی۔ یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب اُن ہی سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونگے۔ لیکن افسوس کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اسقدر لکھا ہے کہ:-

ولعمر بن الخطاب اخبار کثیرۃ فی اسفارہ فی الجاھلیۃ الی الشام والعراق مع کثیر من ملوک العرب والعجم وقد اتینا علی مبسوطھا فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط۔

عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب عجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جنکو ہمنے اپنی کتاب اخبار الزمان، اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱۔

ہوئی کہ ناپید ہو چکیں ہیں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذری ہیں حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے انکو تمام عرب میں روشناس کردیا اور لوگوں پر اُن کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہانتک کہ قریش نے انکو سفارت کے منصب پر مامور کیا۔ قبائل میں جب کوئی پرخطر معاملہ پیش آتا۔ تو اُن ہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل غیر مانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہانتک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے انکے دشمن بن گئے۔ لبنیہ اُن کے خاندان میں ایک کنیز تھی جسنے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے۔ تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر مارونگا۔ لبنیہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کردیں۔ تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا۔ ؎

آمد آں یار سے کہ ما مے خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں۔ اور قرآن کے اجزاء چھپا

لیے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ انکا بدن لہو لہان ہو گیا۔ اسی حالت میں انکی زبان سے نکلا کہ عمرؓ! جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کیطرف محبت کی نگاہ سے دیکھا انکے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا تھا۔ یہانتک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقعہ تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر بکف گئے تھے اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی اسلئے صحابہؓ کو تردد ہوا لیکن امیر حمزہؓ نے کہا آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائیگا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمرؓ؟ کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے انکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کیساتھ عرض کیا کہ ایمان لانے کے لئے۔ آنحضرتؐ بیساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت امیر حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمرؓ کے اسلام کیساتھ دفعتہ یہ حالت بدل گئی۔ انھوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی۔ لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کیساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَيْشًا حَتّٰى صَلّٰى عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ یعنی جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہانتک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی[1]۔

[1] انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر ۱۲

حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقعہ ہُوا ۔

ہجرت

حضرت عمرؓ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے لیکن اسلام کو جسقدر شیوع ہوتا جاتا تھا۔ ان کی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہانتک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقہ میں آ گئی تو قریش نے زور و قوت کیساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے بلکہ لیکن انکے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس کو جس مسلمان پر قابو ملا۔ اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہ رہ سکتا یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گذرا کہ اس کی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے ۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

اسی اثنا میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اسلئے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن اشہل پھر حضرت بلال مؤذن اور عمار یاسر نے ہجرت کی ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کیساتھ مدینہ کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں۔ ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں ۔ زید بن خطاب ۔ سعید بن زید بن خطاب خنیس بن حذافہ سہمی عمرو بن سراقہ ۔ عبد اللہ بن سراقہ ۔ واقد بن عبد اللہ تمیمی ۔ خولی بن ابی خولی ۔ مالک بن ابی خولی ۔ ایاس بن بکیر ۔ عامر بن بکیر ۔ خالد بن بکیر ۔ ان میں سے زید حضرت عمرؓ کے بھائی ۔ سعید بھتیجے ۔ خنیس داماد اور باقی دوست و احباب تھے ۔

حضرت عمرؓ کی قیامگاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی ۔ مہاجرین زیادہ تر قبا میں رہے مدینہ سے دو تین میل ہے ۔ قیام کرتے تھے ۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے ۔ قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ صحیح مسلم میں انکی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے ۔ حضرت عمرؓ کے اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی ۔ یہاں تک کہ ۱۳ھ؁ میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا ۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا ۔ انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری اسکو اپنی جائداد ۔ مال و اسباب ۔ نقدی تمام چیزوں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا ۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے ۔ اس رشتے کے قائم کرنے میں آنحضرتؐ طرفین کے رتبہ اور حیثیت

کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجہ کا ہوتا اسی رتبہ کے انصاری کو اس کا بھائی بناتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جس کا بھائی قرار دیا۔ ان کا نام عتبان بن مالک تھا۔ جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے[1]۔ آنحضرتؐ کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہؓ نے قبا ہی میں قیام رکھا حضرت عمرؓ بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دیکر بالالتزام آنحضرتؐ کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی عتبان بن مالک آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرتؐ سے سنتے حضرت عمرؓ سے جا کر روایت کرتے۔ چنانچہ بخاریؒ نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم۔ باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینے میں پہنچکر اس بات کا وقت آیا۔ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابتک روزہ۔ زکوٰۃ۔ نماز جمعہ نماز عیدین۔ صدقہ فطر۔ کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ یہانتک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہؓ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ آنکلے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمرؓ کیلئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا[2]۔

۱ سنہ ہجری تا وفات رسول اللہ صلعم ۶۲۳ء
غزوات و دیگر حالات

۱ سنہ ہجری سے آنحضرتؐ کی وفات تک حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرتؐ کو جو لڑائیاں پیش آئیں۔ غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے۔ وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے اشاعت اسلام کیلئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں۔ ان میں سے

---

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۳۴۳ میں عتبان کی بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن تعجب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصابہ میں ابن سعد کے حوالہ سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے۔ اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کی اخوت کا ذکر نہیں کیا۔

[2] صحیح بخاری کتاب الاذان ۱۲

ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل سے لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۂ نبوی سے بدل جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر کے کارنامے گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلعم کے سلسلۂ حالات سے وابستہ ہیں اس لئے جب قلم بند کئے جائینگے۔ تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلعم کے نام نامی قرار پاویگا۔ اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئینگے۔ اسلئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کیساتھ لکھے جائیں۔ اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے انکو کسیقدر تفصیل سے لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنمایاں ہو کر نظر نہ آئینگے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی۔ تاہم اسکے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ اب ہم نہایت اختصار کیساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائینگے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اسقدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کیساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرتؐ نے خبر پاکر انکے روکنے کیلئے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیجدیں اور وہ وہیں رک گئے۔

واقعۂ بدر ۲ھ سنہ ۲ ہجری میں بدر کا واقعہ پیش آیا۔ جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آرہا تھا۔ راہ میں یہ غلط خبر سنکر کہ مسلمان اسپر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امنڈ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم یہ خبر سنکر تین سو آدمیوں کیساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی۔ اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں:۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا — جیسا تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ — اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے
كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ — بعد اسکے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں
اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ — اور وہ اسکو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے
غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ — وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔

ان آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ:۔

(۱) جب آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں

جاتا ہے (۲) مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے۔ ایک غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ یعنی ابوسفیان کا کارواں تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سروسامان کیساتھ نکل چکا تھا اسکے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں کل ۴۰ آدمی تھے۔ اور آنحضرت مدینہ سے تین سو بہادروں کیساتھ نکلے تھے تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں سے مقابلہ کیلئے کسی طرح موت کے منہ میں جانا خیال نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کیلئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن شریف میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان انکے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہرحال ۸ رمضان ۲ھ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳ آدمیوں کیساتھ جنمیں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کیساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً چھ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے۔ جن میں سے ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ قریش کیطرف ۷۰ مقتول اور ۷۰ اسیر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ اور بڑے بڑے رؤسائے مکہ تھے۔ اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمرؓ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہؐ کے دست و بازو رہے۔ لیکن انکی شرکت کی خصوصیات یہ ہیں :۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہ ہوا[1] اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے۔ صرف حضرت عمرؓ کے رعب و داب کا اثر تھا (۲) حضرت عمرؓ کے ساتھ انکے قبیلہ اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے۔ جنکے نام یہ ہیں۔ زید، عبد اللہ بن سراقہ، واقد بن عبد اللہ، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، عاقل بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر۔

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا[2]۔

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا[3]۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کیگئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔

اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے انکی تعداد کم و بیش ستر تھی۔ اور ان میں

---

[1] طبری میں ہے ولم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منهم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منهم رجل واحد ص ۱۳۷۰ [2] ابن ہشام ص ۴۹ [3] ابن جریر ص ۵۰ و استیعاب باب ۱۲

اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ مثلاً حضرت عباس، عقیل حضرت علیؓ کے بھائی، ابو العاص ابن الربیع ولید بن الولید۔ ان سرداروں کا ذلت کیساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت انگیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر اثر کیا۔ یہانتک کہ رسول اللہؐ کی زوجہ مبارک سودہؓ کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں۔ اعطیتم بایدیکم ھلا متم کراما۔[1]

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کیساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے تمام صحابہؓ سے رائے لی اور لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے بھائی بند ہیں۔ اس لئے ان سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ اور قرابت کو دخل نہیں۔ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اور اس طرح کہ ہم میں ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کردے۔ علیؓ عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہؓ عباس کی سر اڑا دیں۔ اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اسکا کام میں تمام کر دوں۔ آنحضرت نے شان رحمت کے اقتضا سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی۔ اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ الخ

کسی پیغمبر کیلئے یہ زیبا نہیں کہ اسکے پاس قیدی ہوں۔ جبتک کہ وہ خوب خونریزی نہ کر لے۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا۔ لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اسکے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آنحضرتؐ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب سے پہلا یہ کام کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا۔ کہ مسلمانوں کے خلاف دشمن کو مدد نہ دینگے اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئیگا تو مسلمانوں کی مدد کرینگے۔ لیکن جب آنحضرتؐ بدر سے فتحیاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بنجائیں۔ چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ قریش والے فن حرب سے ناآشنا تھے۔ ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کہتے ہیں۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرتؐ نے شوال ۲ھ ہجری میں ان پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اسکی ابتدا اسی سے ہوئی۔ قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لے لونگا غسل نہ کرونگا۔ چنانچہ ذوالحجہ ۲ھ میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑ کر انکو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کو خبر ہوئی تو آپنے تعاقب کیا۔

[1] تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے ۱۲ ؎ طبری صفحہ ۱۳۵۵۔

لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے۔ یہانتک کہ شوال سنہ ۳ ہجری (۶۲۵ء) میں جنگ اُحد کا مشہور معرکہ واقع ہُوا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جاکر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا۔ اسیوقت حملہ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہوگئے۔

ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار بنکر بڑے سروسامان کیساتھ مکہ سے روانہ ہُوا اور ماہ شوال بُدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچکر مقام کیا۔ آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے لیکن صحابہؓ نے نہ مانا۔ اخر آنحضرتؐ مجبور ہوکر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے۔ قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دوسو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے میمنہ کے افسر خالد بن ولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اسوقت تک یہ دونوں صاحب ایمان نہیں لائے تھے) ادھر کل سات سو آدمی تھے جنمیں سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ مدینہ کے قریب تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے اسکے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیراندازوں کیساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اُدھر سے کفار حملہ کرنے نہ پائیں۔

۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج لیکر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ ابودجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور انکی صفیں اُلٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ تیراندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتہً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔

مسلمان چونکہ ہتھیار ڈالکر غنیمت میں مصروف ہوچکے تھے۔ دفعتاً اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی یہانتک کہ آپکا دندان مبارک شہید ہُوا۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں پر مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اسکے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چُھپ گئے اس بیچ میں یہ غل پڑگیا کہ رسول اللہ صلعم مارے گئے اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور متزلزل کردیا۔ اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہوکر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ اخیر وقت تک کسقدر صحابہ ثابت قدم رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرتؐ کیساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہؓ

گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے۔ کہ گیارہ انصار اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی آنحضرتؐ کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد نے چودہ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب لوگ ادھر اُدھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتہً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا لوگ آنحضرتؐ کے پاس پہنچتے گئے۔[1]

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ سے ادھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبری نے بسند متصل جس کے روات ابن حمید، سلمہ، محمد ابن اسحٰق، قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے۔ کہ اس موقع پر جب انس بن نضرؓ نے حضرت عمرؓ اور طلحہ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔[2] قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے۔ کہ انس بن نضرؓ میرے پاس سے گذرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلعم پر کیا گذری۔ میں نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انسؓ نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔[3] ابن ہشام میں ہے۔ کہ انس نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہ کا نام بھی ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا۔ بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور آنحضرتؐ کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت اقدس میں پہنچے۔ طبری اور سیرۃ ابن ہشام میں ہے:۔

فلما عرف المسلمون رسول الله نهضوا به نحو الشعب معه علي ابن ابي طالب وابوبكر بن ابي قحافة وعمر بن الخطاب وطلحة بن عبيد الله والزبير بن العوام والحارث بن صمة	پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرتؐ کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لیکر پہاڑ کے درے پر چڑھ گئے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام اور حارث بن صمہ تھے۔

[1] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۷۲ میں ہے [2] طبری صفحہ ۱۴۰۲ و ۱۴۱۳ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۔

علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنھوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں یہ لکھا ہے

وکان ممن انکشف یوم اُحد	یعنی حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے
فغفر له	تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے۔ تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ اُحد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایۃً غلط ہے۔ کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اس میں عباس بن عبداللہ الباکسائی اور حفص بن اسحٰق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اسکے خلاف ہیں۔
اس بحث کے بعد ہم پھر اس واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کیساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے۔ رسول اللہ اس وقت تیس صحابہؓ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہانتک نہ آنے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کیساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔

ابوسفیان سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچکر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں۔

آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا۔ او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا اُعْلُ ھُبَل یعنی ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے۔

اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کیساتھ ہوا تھا خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی تھی کہ وہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں انھوں نے کچھ جواب نہ دیا پھر حضرت عثمانؓ سے

له سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۷۰ ۔ طبری صفحہ ۱۴۰۳ ۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۷۰ ۔ طبری صفحہ ۱۴۰۰ ۔

درخواست کی وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں چنانچہ شعبان سنہ ۳ھ میں آنحضرتؐ نے حفصہ سے نکاح کر لیا۔

سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرتؐ نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم میں مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے سنہ ۴ھ میں آنحضرتؐ ایک معاملہ میں استعانت کیلئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر انکے پاس تشریف لائے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جسکا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرتؐ کے سر پر پتھر کی سل گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرتؐ کو خبر ہو گئی۔ آپ اٹھ کر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا اور مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ آنحضرتؐ نے ان پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام چلے گئے کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔

جنگ خندق یا احزاب شوال ۵ھ ۶۲۷ء

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب بڑے بڑے معزز رئیس تھے یہ لوگ خیبر میں پہنچکر مطمئن ہوئے تو آنحضرتؐ سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی قبائل عرب کا دورہ کیا اور تمام ملک میں ایک آگ لگا دی چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور شوال سنہ ۵ھ میں ابو سفیان کی سرداری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرتؐ نے مدینہ سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اسلئے کفار کو اسکی تدبیر کچھ بن نہ آئی مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینہ تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے آنحضرتؐ نے اس غرض سے خندق کے ادھر کچھ کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ میں حضرت عمرؓ متعین تھے چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایکدن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر روکا۔ انکی جماعت منتشر کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلہ میں انکو رہنا پڑا۔ کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس آ کر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز تک پڑھنے کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانسو بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علیؓ

لہ طبری صفحہ ۱۴۵۲ سلہ یہ مدینے سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے سلہ یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔

کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اُسکے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی اور ادھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو اُنکے اسلام کی مطلق خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کفار کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

سنہ ۶ھ میں آنحضرتؐ نے صحابہ کیساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ جو مدینے سے چھ میل پر ایک مقام ہے، پہنچکر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں چنانچہ رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا اور آپ نے انکی رائے کیموافق مدینے سے ہتھیار منگوا لئے جب مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دینگے۔ رسول اللہ صلعم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں عثمانؓ کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اسلئے انکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرت نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اور حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا قریش نے حضرت عثمان کو روک رکھا۔ اور جب کئی دن گذر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دئے گئے رسول اللہؐ نے یہ سنکر صحابہ سے جو تعداد میں ۱۴۰۰ تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعۃ الشجرہ کے نام سے مشہور ہوا قرآن کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت الرضوان کی مناسبت سے اس کو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی صحیح بخاری غزوہ حدیبیہ میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہ بن عمر باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کی حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سج رہے ہیں عبداللہ نے اُن سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اسی وقت آئے اور آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کا اصرار تھا کہ رسول اللہ صلعم مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رد و بدل کے بعد اُن شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اُلٹے واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ اور اس اثنا میں اگر

قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ صلعم کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس بھیج دیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے۔ تو ان کو اختیار ہوگا کہ اسکو اپنے پاس روک لیں۔ آخری شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا۔ کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کیجائے۔ انھوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی۔ لیکن حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اسطرح گفتگو کی:-

حضرت عمرؓ۔ یا رسول اللہؐ کیا آپ رسولِ خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہؐ۔ بے شک ہوں۔

حضرت عمرؓ۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہؐ۔ ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہؐ۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلافِ ادب تھا۔ چنانچہ بعد میں انکو سخت ندامت ہوئی۔ اور اسکے کفارے کے روزے رکھے۔ نفلیں پڑھیں۔ خیرات دی۔ غلام آزاد کئے۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسولؐ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اسمیں بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی صورت نازل ہوئی ہے جو مجھ کو تمام دنیا کی چیزوں سے زیادہ محبوب ہے یہ کہہ کر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اسوقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے صلح ہو جانے سے باہم میل جول ہوا اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس ماقبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے جس بنا پر رسول اللہؐ نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمرؓ کی فہم میں نہ آسکی۔ وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

ؐ طبری صفحہ ۱۵۴۶۔ ؐ صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ ؐ فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۳۴۴ ذکر حدیبیہ۔

حضرت عمرؓ کا کافر بیویوں کو طلاق دینا

اس زمانے تک کافر عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ تو یہ امر ممنوع ہو گیا۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافر تھیں طلاق دیدی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا نام ام کلثوم بنت جرول تھا۔ ان دونوں کے طلاق دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا۔ حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن[1] سے تھے۔

جنگ خیبر ۷ھ ۶۲۹ء

اسی سال رسول اللہ صلعم نے سلاطین اور والیان ملک کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ ۷ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنی نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوئے۔ انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ۵ھ میں قریش کو جا کر بھڑکایا۔ اور انکو مدینہ پر چڑھا لائے۔ ان تدبیروں میں اگرچہ ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۶ھ میں قبیلہ بنو سعد نے انکی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علیؓ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانسو اونٹ غنیمت[2] میں ہاتھ آئے۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سدِّ راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضرور تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جاتے۔ ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۷ھ میں آنحضرتؐ نے چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لیکر خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لئے تھے۔ مثلاً حصن ناعم، حصن قموص، حصن صعب، وطیح اور سلالم۔ یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے۔ لیکن وطیح اور سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمرؓ مامور ہوئے اور برابر دو دن جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج سج کر آئے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقعہ کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؓ کیلئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علیؓ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدین کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک

[1] بخاری واقعات ۶ھ [2] مواہب بذکر الغزوۃ الثانیۃ ذکر سریہ علی ابی بن سعد ۱۲

ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حصہ میں بھی آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح المسلم باب الوقف میں یہ قصہ بتفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا ہے۔

اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو ۳۰ آدمیوں کیساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلہ کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرتؐ کا اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان قبیلوں میں مدت سے ان بن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا۔ اور قریش نے انکی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی تب بھی انکو پناہ نہ ملی۔ خزاعہ نے جا کر آنحضرتؐ سے استغاثہ کیا۔ ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کیلئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں اور رمضان ۸ھ میں ۱۰ ہزار فوج کیساتھ مدینے سے نکل مقام مر الظہران میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ آنحضرتؐ کے خچر پہ سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے ادھر سے ابوسفیان آ رہا تھا۔ حضرت عباسؓ نے اس سے کہا کہ آئیں تجھ کو رسول اللہ صلعم سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں۔ ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اسکی سفارش کیلئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدت کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ عمرؓ! ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس طرح اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہٖ تاریخوں میں منقول ہے پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کیلئے تشریف فرما ہوئے لوگ جوق در جوق آتے تھے۔ اور بیعت کرتے جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرتؐ سے قریب لیکن کسیقدر نیچے بیٹھے تھے جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کو ہاتھ سے مس نہیں کرتے تھے حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا۔ کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ تمام عورتوں نے انہیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعت کی۔

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین[1] کے نام سے مشہور ہے ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے تھے آنحضرتؐ جب فتح مکہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑے ساز و سامان سے روانہ ہو کر حنین میں آئے دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بھگا دیا لیکن جب غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑ گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم تھے ان کا نام خصوصیت کیساتھ لیا گیا ہے۔ اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحٰق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ و با پیغمبر چندتن از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند مثل ابوبکرؓ و علیؓ و عمرؓ و عباسؓ الخ[2]

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی۔ کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے آنحضرتؐ نے یہ سنکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا۔ اسلئے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا۔ تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اسلئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے

غزوۂ حنین

---

[1] حنین عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے۔ جو مکہ سے ۹-۱۰ میل ہے دیکھو تاریخ طبری ۱۲

[2] ابن اسحٰق کی اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی۔ لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبان فارسی میں میری نظر سے گذرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ ترجمہ سنہ ۶۱۲ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اسکا ایک نہایت قدیم نسخہ دہلی کے کتبخانہ عام میں موجود ہے ترمذی ابو داؤد میں واقع فضائل ابوبکرؓ کی تحریث میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے

اسی سال آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی۔ اسلئے تمام کو نہایت رنج و افسوس تھا۔ تاہم کوئی شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا۔ کہ شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کیلئے آیا ہوں۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حفصہ کی گردن ماردوں[1]۔ آنحضرتؐ نے فوراً بلا لیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں آپ اجازت دیں۔ تو ان کو یہ مژدہ سنا آؤں۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ نے انہیں واقعات کے سلسلہ میں ایک موقعہ پر کہا کہ عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔

سنہ ۱۰ھ (۶۳۲ء) میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آ گئے۔

اسی سال آنحضرت صلعم نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپکا اخیر حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ (۶۳۳ء) ماہ صفر میں آنحضرتؐ نے رومیوں کے مقابلے کیلئے اسامہ بن زید کو مامور کیا۔ اور اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ انکے ساتھ جائیں۔ لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔ اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرتؐ بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے بیہقی نے بسند صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے[2]۔ بیماری کی حالت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی۔ اور کبھی افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عین وفات کے روز نماز فجر کے وقت افاقہ بحال تھا کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم و دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے واسطے ایسی چیز لکھونگا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

[1] صحیح مسلم باب الطلاق ۱۲ [2] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۸-۹۷

(نعوذ باللہ) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنے ہذیان کے ہیں ۔

یہ واقعہ تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں، اور اُمت کے درد اور غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کیلئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اسلئے اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ بے پروائی ظاہر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرور نہیں، ہمکو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے، اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہوں نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول روایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے اصل مسئلہ نامنفصل رہا۔ اور عجیب عجیب مباحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہانتک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ انسانی عوارض میں ہے، اور آنحضرتؐ عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے۔ اس سے کسی امر پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس بحث کیلئے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے ۔

(۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ قلم طلب کرنیکا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اسلئے اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے ۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں ۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے۔ لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صحیح بخاری میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے) باینہمہ بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں ۔

(۵) عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف تیرہ چودہ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر عبداللہ بن عباسؓ موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔

(۱) بخاری باب کتابۃ العلم میں جو روایت مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے اس لئے محققین نے اس کی تحقیق کی ہے اور بدلائل قطعی ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو باب فتح الباری کتاب العلم۔

(۲) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔[1]

ان میں سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، صرف اس قدر کہنے سے کہ قلم دوات لاؤ۔ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا۔ فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے تو یہ معنی نہیں کہ وہ معمولی بات کہیں۔ تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر وقت کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیزیں لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔ اس میں ہذیان کی کیا بات ہے۔ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے۔ تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب کر رہے ہیں۔ پس ایسی روایت جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دی ہیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف عبد اللہ بن عباسؓ اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ انکی عمر اس وقت تیرہ چودہ سال کی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری و مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے۔ لیکن اسکو یہ سمجھنا چاہئے کہ بخاری و مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ واقعہ کی پوری حیثیت محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ کہ رسول کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرتؐ اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اسی اثنا میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ عین وفات کے دن آپکی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا، واپس چلے گئے لیکن حضرت عمرؓ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرتؐ نے ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپکی وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ عام روایت ہے کہ

[1] علامہ طبری نے یہ تاویل کی ہے اور اس بیان کو مانا ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار و استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہئے۔ معاذ اللہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اسکا بے لحاظ کیا جائے۔ یہ تاویل اچھی ہوئی ہے۔ لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً (بقیہ بر صفحہ ۴۶)

حضرت عمرؓ اس قدر وارفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جاکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی۔ اسکو قتل کر ڈالونگا۔ لیکن ناظرین اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پردازی کیلئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مصلحتہً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا۔ اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کرلی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے قیاس سے مطابق نہیں ہوسکتیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی۔ اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں۔ کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ جلائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہروماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؓ اور خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے اُنکو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہا گو بنی ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں:-

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵) بھی تھیں۔ روندی یا ات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیجیو، صحیح مسلم) آپ ہمایسے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آخر تک کی سبب کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لیئے آپ کا یہ فرمانا کہ میں لکھدوں ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوا دینے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع و ذائع ہے۔

ؐ طبری صفحہ ۱۸۱۳ - ۱۸۲۰

(۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمرؓ وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ اپنی خواہش سے خود سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں؟

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب[۱] ابو یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں:۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر ان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی۔ کہ ابن خطاب! حضرت عمرؓ باہر آؤ میں نے کہا کہ چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرتؐ کے بندوبست میں مشغول ہیں اُس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اسلئے جلد پہنچو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر بیٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلیے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا۔ نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کیجا سکتی تھی۔ (۱) بنو ہاشم جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے (۲) مہاجرین جن کے رئیس و افسر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے (۳) انصار جن کے شیخ قبیلہ عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہونگے:۔

آنحضرتؐ کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کی ظاہری حالت سنبھل گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کروگے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہؐ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہؐ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہؐ ہمارے لئے وصیت فرما جائینگے۔ حضرت

۱۔ دیکھو فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳

علی سے کہا میں نہ پوچھونگا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرتؐ نے انکار کر دیا تو پھر ہمیشہ کو کوئی امید نہ رہے گی۔

اس روایت سے عباسؓ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اسوقت تک یقین نہ تھا۔ اسلیئے انھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اسکے علاوہ ان کو اپنے انتخاب کیئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور انکے اتباع شریک تھے اور حضرت علیؓ انکے پیشرو تھے صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔

کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔

ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا۔ تو انصار نے فی الجملہ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؓ اور زبیرؓ اور انکے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے۔

یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہ موجود تھے اس لئے اس بات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے کوئی امر خلاف واقعہ کہا ہو۔ ورنہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ فتح الباری کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے اسکے یہ الفاظ ہیں[1]:-

وان علیا والزبیر ومن کان معھما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ

اور علیؓ اور زبیرؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے۔ وہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے[2]:-

وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی یبایع علی

اور حضرت علیؓ و زبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور کہا جبتک علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے گی۔ یہ تلوار میان میں نہ ڈالوں گا۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ:-

(۱) آنحضرتؐ کی وفات کیساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہوگئے (۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) بنو ہاشم

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکرؓ اور بنو ہاشم حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

(۳) جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے حضرت علیؓ بھی آنحضرتؐ کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علیؓ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غم والم میں مصروف تھے

[1] فتح الباری شرح حدیث مذکور [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۲۰

اور انکو ایسے پُرزور موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکتا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرینؓ و انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہوں میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کو پیشوا تسلیم کر چکے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہُوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ تجہیز و تکفین اور گریہ و زاری میں مصروف رہیں۔ یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اسقدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انکے مقابلہ کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے کس طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ پڑھا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا ان العرب لا تعرف ھذا الامر الا لھذا الحی من قریش۔ اس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے۔ اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعوے خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے با اثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکرؓ تھے۔ اور فوراً ان ہی کا انتخاب ہو بھی جاتا لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے۔ اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے اٹھتا ہوا طوفان رُک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے اور صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رکے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بزور ان سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ اے بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے

لہ ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی ۱۲

ہاں اس طرح لوگ مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دونگا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اعتبار ظاہر نہیں کرسکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کوئی بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی و سرگرمی کیساتھ جو کارروائیاں کیں۔ ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان ہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازش اگر قائم رہتی تو اسوقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمرؓ ہی کی شرکت سے انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق میں نہیں لکھ سکتے۔ کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابوبکرؓ کی سوانحعمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکرؓ کو اگرچہ مدتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بار گراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کیلئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کام ان ہی پر آپڑیگا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کیساتھ کیا برتاؤ تھا۔ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کرینگے۔ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں۔ یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں خدا سے کہونگا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ یہ کہکر حضرت عثمانؓ کو بلایا۔ اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ عہد نامہ لکھا

جا چکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنا دے۔ پھر خود بالاخانہ پر جا کر لوگوں سے جو جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمرؓ کو مقرر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت موثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ھ میں عراق پر لشکرکشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا۔ اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں۔ یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اسکے حالات بالکل نامعلوم ہیں تاہم اس قدر مشہور ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عربا جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا۔ اور بیت المقدس کی بربادی نے اس کے نام کو شہرت دیدی ہے۔ جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے۔ اور اسی تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا۔ کہ ہشام کلبی[1] کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات

۱۔ ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کئے جو حیرہ میں اس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں اس زمانے میں اردشیر بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنالیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا۔ لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور ابن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اسکے عہد میں حجاز و یمن دونو باجگزار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ساپور ذی الاکتاف جب صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے۔ شاہ پور جوان ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچکر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ ہر سیاہ عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوی الاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اسکو قید کر دیا۔ اور قید ہی میں اُسنے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیئے تھے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُسنے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار سوار کیساتھ بھیجا۔ کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سر و سامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ عجمیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپنے فرمایا کہ :-

هذا اول يوم انتصفت العرب من العجم　　یعنی یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بہت فخر اور جوش کیساتھ قصیدے اور اشعار کہے ہیں۔ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجودیکہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا۔ پرویز نے خط پڑھکر کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھکو یوں خط لکھتا ہے۔ اس پر بھی قناعت نہ کی۔ بلکہ پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح و غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے۔ لیکن یہ لقب خود

مع باذان کو جو یمن کا والی تھا لکھا کہ کسی کو بھیجکر محمد کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں

ان کا خانہ ساز لقب تھا۔ ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے۔ درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔ ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اور اس وجہ سے انکو رومیوں کیساتھ ایک خاص قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا۔ تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے ۔ ۷ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور دحیہ (جو خط لیکر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو وہیں شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح رسول اللہؐ نے حارث بن عمیر کو خط دیکر بصری کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرجیل نے انکو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کیلئے رسول اللہؐ نے ۸ھ میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا اس واقعہ میں زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار، عبداللہ بن رواحہ جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہو گئے۔ اور گو خالدؓ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی۔ تاہم نتیجہ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود پیشقدمی کر کے بمقام تبوک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اسوقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن رومی و غسانی مسلمانوں کی طرف سے غافل نہیں رہے۔ یہانتک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہؐ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپنے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے جا کر کہا۔ کچھ تم نے سُنا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اسی حفظ ما تقدم کے لئے ۱۱ھ میں رسول اللہؐ نے اسامہ بن زید کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کیساتھ جائیں۔ اسامہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہؐ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا حضرت ابوبکرؓ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ تم میں جو شخص مارا جائیگا شہید ہوگا۔ اور جو بچ جائیگا۔ مدافع عن الدین ہوگا یعنی دین کو دشمنوں کے حملہ سے بچایا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوگا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمرؓ نے جس کی تکمیل کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات عراق[1]

فارس کی حکومت کا جو خاندان ساسانی کہلاتا ہے جو نوشیروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے آنحضرت کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اس کے مرنے کے ساتھ دفعتہً ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایوان حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش ۱۵ تھے قتل کرا دیا اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ ہجری کا بارھواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سن شعور کو پہنچ جائے گا۔ تو وہی تاج و تخت کا مالک ہو گا۔

پرویز کے بعد جو انقلاب حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جا بجا بدامنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں ہے صرف نام کو ایک ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرہ و ابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور خالد سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ اگرچہ خود اسلام لا چکے تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت سے واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی

---

[1] جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کئے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملحق ہے اس کو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں۔ عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ، جنوب میں خلیج فارس، مشرق میں خوزستان، اور مغرب میں دیار بکر ہے۔ جس کا مشہور شہر موصل ہے۔ دار السلطنت اس کا بغداد ہے۔ اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ، کوفہ، وغیرہ ہیں۔ ہمارے مورخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ ختم ہو جاتا ہے اور چونکہ ان کو اس سنہ کے تمام واقعات لکھنے ہیں اس لئے قبل اس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر ان کا سلسلہ ٹوٹے شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا۔ شام کو ایک جا اور مصر کو ایک جا لکھا ہے۔ [2] شیرویہ کے بعد سلسلہ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعیین میں مورخین اس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے۔ ہم نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی الاصل ہونے کے ابوحنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ دیکھو اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ۱۱۶، فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۲۔

اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رخ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو مدد کیواسطے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیئے اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا۔ وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی فتوحات خالدؓ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں۔ لیکن انکے بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ خالد نے مہمات عراق کا فیصلہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ ادھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں۔ اس کے مقابلہ کا وہاں پورا سامان نہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے ربیع الثانی سنہ ۱۳ ہجری میں خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں۔ خالد ادھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتہً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعت خلافت کیلئے تمام اطراف و دیار سے بیشمار آدمی آئے تھے۔ اور تین دن تک انکا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور وہ خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے سب خاموش رہے۔ عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اٹھکر کہا کہ مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے۔ اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔ حاضرین میں ابو عبید ثقفی بھی تھے۔ جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی اس کام کے لیئے میں ہوں۔ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار آدمی[3] انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا۔ یعنی صحابی نہ تھے۔ اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عمرؓ! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو۔ فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں۔ اور ان کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا تم کو جو شرف تھا وہ ہمت و استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کئے جائیں۔ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ انکا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۲ [2] بلاذری صفحہ ۲۵۱ [3] بلاذری کی روایت ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے ہزار تعداد لکھی ہے ۱۲

حضرت ابوبکر کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا۔ اس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا۔ دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا۔ اور درباریوں کو جن میں تمام امراء اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں۔ اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہرمز پرویز کے زمانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیئے جنہوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابو عبید کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لئے ایک اور فوج گراں تیار کی۔ نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اور عراق کے بعض اضلاع جو قدیم سے اس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے ادھر ابو عبید و مثنیٰ حیرہ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید نے اس اثنا میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے۔ نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے۔ جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ بد قسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا۔ وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ جاپان نے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں۔ مجھ کو چھوڑ دو اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا۔ تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبید نے کہا اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبید نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا۔ جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں

فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت لشکر تھا۔ اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ اور میسرہ پر تھے تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایۂ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا۔ اور تھوڑی تھوڑی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے۔ ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فروخ اور فراونداد جو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے چنانچہ اظہار خلوص کے لئے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے اور ابو عبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج کے لئے ہے۔ یا صرف میرے لئے؟ فروخ نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبید نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ اور جس کو نوشیروان نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا۔ اور درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔ اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا۔ دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبید کے تمام سرداروں نے ایک زبان ہو کر کہا ہم کو اسی طرف رہنا چاہئے۔ لیکن ابو عبید جوش شجاعت کے نشہ میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ مردان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ عرب مرد میدان نہیں ہیں۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا۔ اور ابو عبید نے اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دیدیا۔ مثنیٰؓ اور سلیطؓ وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبید سے بڑھ کر تھا۔ جب ابو عبید نے اصرار کیا۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو گی۔ تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا۔ اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا۔ کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا منظر نہایت مہیب تھا۔ بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے۔ اور بڑے زور سے بجتے چلے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کر پیچھے ہٹے ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا۔ کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں سے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت اُلٹ دو۔ اس آواز کیساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابو عبید یہ دیکھکر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے۔ اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مشک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر انکو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھدیئے۔ کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں ✦

ابو عبید کے مرنے پر انکے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اُسنے ابو عبید کی طرح انکو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اسی طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے۔ باری باری علم ہاتھ میں لئے اور مارے گئے۔ آخر میں مثنّی نے علم ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی مُطرہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر نہ جانے پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ مثنّی نے دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگنے والوں کو اطمینان سے پار اُتار دے خود بچی کھچی فوج کیساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے۔ اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار بچ گئی۔ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا ہے۔ اور کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اس کا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی۔ وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے حضرت عمرؓ انکے پاس جا کر انکو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم او متحیزاً الیٰ فئۃ میں داخل ہو۔ لیکن انکو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوئی تھی ✦

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ھ میں واقع ہوا اس لڑائی میں نامور

صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے۔ وہ سلیط۔ ابوزید انصاری۔ عقبہ و عبداللہ پسران قبطی۔ ابن قیس یزید بن قیس الانصاری ابوامیۃ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۴ھ ۶۳۵ء

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیج دیئے۔ جنہوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لیکر آیا۔ بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کیساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب بنو کنانہ۔ خثعم بنو حنظلہ، بنو ضبیہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کیساتھ آئے۔ جوش یہانتک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے۔ اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کیساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کیساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی۔ کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے رسول اللہ صلعم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی۔ لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے۔ کہ جہاں جہاں اس کے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں۔ جریر یہ جمعیت اعظم لے کر دربار مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار انتخاب کئے جائیں۔ اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی۔ اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا۔ اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات

کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے ہی فرات اُتر کر بڑے سروسامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کرکے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر مذعور۔ میسرہ پر نسیر۔ پیدل پر مسعود۔ والنٹیر پر عاصم۔ گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا۔ تو مثنیٰ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا۔ اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ بہادرو! تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا۔ کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرے پر حملہ کر دیا جاتا تھا مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی۔ کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصہ میں آکر داڑھی دانتوں میں دبائی اور پکارے کہ خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو۔ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہہ کر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اُٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ اُنھوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لیکر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے۔ کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو کہاں جاتے ہو؟ میں کھڑا ہوں۔ اس آواز کیساتھ[1] سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے ان کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بے دل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا۔ تو کچھ پروا نہیں۔ شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا۔

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا۔ اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا۔ زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اُتر کر اس کو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کُل کا کُل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور

[1] الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ۱۲

افسر تھا قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا "مَیں ہُوں تغلب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل"۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک دیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گذر ہوا تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہُوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آ گئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے۔ کہ اسلام سے پہلے مَیں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اُس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکے کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل گئے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے۔ اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اور بیشمار نقد و اسباب ہاتھ آیا۔ پایہ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "زنانہ حکومت" اور آپس کے اختلافات کا یہ نتیجہ تھا۔ اس وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ[۱] برس کا نوجوان تھا اور خاندان کسریٰ کا یہی ایک شرہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست بازو تھے۔ اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزدگرد کی تخت نشینی کیساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی۔ اور تمام مفتوحہ مقامات مُسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمرؓ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہیں۔ ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

---

[۱] طبری بروایت سیف ۱۲ [۲] ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے ۱۳۰

اس کے ساتھ خود بڑے سروسامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر، رئیس، صاحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو، فوراً دربار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ اور حج سے فارغ نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے۔ جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضر موت، صدف، مذحج، قیس، عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار، بنو تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی۔ آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو، میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پہ طلحہ، میمنہ پہ زبیر، میسرہ پہ عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینے سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے مرنے پہ کمریں باندھ لیں۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پہ ایک چشمہ ہے وہاں پہ قیام کیا۔ اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے ایک زبان ہو کر کہا۔ امیر المومنین یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہو گی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نے کہا لڑائی کے دونوں پہلو ہیں۔ اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں تمہاری رائے پہ عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں"۔ غرض اس بات پہ اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی۔ کہ اور کوئی شخص اس بار گراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالد شام کی مہمات میں مصروف تھے حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی جستجو میں تھے کہ دفعتہً عبدالرحمٰن بن عوف نے اٹھ کر کہا۔ کہ میں نے پا لیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص

سعد بڑے رتبے کے صحابی اور رسول اللہ صلعم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بنا پر

حضرت عمرؓ کو پھر بھی تردد تھا۔ لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کی تائید کی۔ تو چاروناچار منظور کیا تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات اپنے قبضہ اختیار میں رکھیں چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی حرکت، حملہ کا بندوبست لشکر کی ترتیب، فوجوں کی ترتیب وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے اور ایک کام بھی انکی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہانتک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمرؓ نے نامزد کردی تھیں۔ چنانچہ مورخ نے نام بنام ان کی تصریح کردی ہے۔

غرض سعد نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷۔۱۸ منزلیں طے کرکے ثعلبہ[1] پہنچے اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے۔ اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذوقار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہوکر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدمہ سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنیٰ ان سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے۔ سعد سے بیان کئے چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں سعد نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کا ڈھنگ، رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا۔ جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش بیس ہزار ٹھیری۔ پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی:-

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے۔ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہوکر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے
میسرہ (بایاں حصہ)	شرجیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایہ (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجردہ (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
ترصنی و خبر رسانی	عبدالرحمٰن بن ربیعۃ الباہلی	
رابہ یعنی رسد وغیرہ کا	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں۔ فارس کے رہنے والے تھے۔
بندوبست کرنے والے		
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب [1]		

[1] افسوس ہے کہ طبری نے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے تھے ۱۲

امرائے اعشار میں سے ستر وہ صحابہ تھے ۔ جو غزوہ بدر میں شریک تھے ۔ تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے ۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے ۔ سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے ۔

سعد شراف ہی میں تھے ۔ کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں مقام کرو ۔ اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ ۔ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو ۔

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے نہایت مشہور مقام تھا حضرت عمرؓ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے ۔ اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا تاہم چونکہ پورا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ قادسیہ پہنچکر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے ۔ سعد نے نہایت تفصیل سے مقام جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے ۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی ۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب[۱] پہنچے یہاں عجمیوں کا میگزین رہتا تھا ۔ وہ مفت ہاتھ آیا ۔ قادسیہ پہنچکر سعد نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں ۔ انہوں نے آکر بیان کیا کہ رستم فرخ زاد جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھیرا ہے ۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی ۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور انکو اسلام کی رغبت دلائیں ۔ سعد نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے ۔ عطارد بن حاجب ۔ اشعث بن قیس ۔ حارث بن حسان ۔ عاصم بن عمرو ۔ عمرو معدیکرب ۔ مغیرہ بن شعبہ ۔ معنی بن حارثہ قد و قامت اور ظاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے ۔ نعمان بن مقرن ۔ بسر بن ابی رہم ۔ حملہ بن جویہ ۔ حنظلہ بن الربیع التمیمی ۔ فرات بن حیان العجلی ۔ عدی بن سہیل ۔ مغیرہ بن زرارہ ۔ عقل و تدبیر اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ۔

ساسانیوں کا پایہ تخت قدیم زمانے میں اصطخر تھا ۔ لیکن نوشیرواں نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا اور اس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا ۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے

[۱] یہ کوفہ سے دو میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۔

۳۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ سفرا گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گذر ہوتا تھا۔ تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچکر ٹھیرے اگرچہ اُن کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا۔ تاہم بیباکی اور دلیری اُنکے چہروں سے ٹپکتی تھی۔ اور تماشائیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے۔ رانوں سے نکلے جاتے تھے۔ اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ کیسی آواز ہے معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہیں۔ یہ سُن کر بڑے سروسامان سے دربار سجایا۔ اور سفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جُبّے پہنے۔ کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوئی ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا "برد" اس نے فارسی محاورے کے لحاظ سے کہا "جہاں برد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند" ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا تھا پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کیلئے آگے بڑھے پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے۔ پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے۔ تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔ اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اٹھ کر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کرکے) رؤسائے عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے انھوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی وہ سچ کہتا تھا۔ تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اس

نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں ہمارے برابر ہیں جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔ یزدگرد غصہ سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے معزز کون ہے۔ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں"۔ ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دیدی۔ اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا۔ ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض رئیس ادھر سے ادھر آ گئے۔ ان میں روشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق در جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار و ناچار رستم کو مقابلے کیلئے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گذری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے۔ اور لوگوں کی ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں۔ سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب، آنا جانے کا رخ۔ ان باتوں کی دریافت کے لئے فوجی افسر مقرر کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ رات کے وقت دشمن کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکا لی۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے۔ اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا انہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی

اس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پیمان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصے میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ لیکن طلیحہ صاف نکل آئے۔ اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے بہرے ابن عم تھے۔ اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا۔ اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہ ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔ رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی عقلمند آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی۔ اونٹ کی جھول کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لئے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سرو سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش اور زریں گاؤ تکیے اور حریر کے پردے، صدر میں مرصع تخت، ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔ درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھرا جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی۔ اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا۔ اس کی انی اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے۔ کہ پرتکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا "اس لئے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے"۔ رستم نے کہا۔ میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس اس کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے۔ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں کے آگے بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اس کی کاٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو

ربعی نے اُن کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ ربعی اس وقت چلے آئے۔ لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے۔ اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم و افسر تھے تاج زریں پہن کر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا۔ اور خدام اور منصب دار قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہو گئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اُتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بُلایا تھا۔ اس لئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔ مترجم نے جس کا نام عبود تھا اور حیرہ کا باشندہ تھا۔ اس تقریر کا ترجمہ کیا۔ تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بول اٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا۔ پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا مغیرہ نے کہا کہ آگ کی لو گو چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے۔ رستم نے اُن کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملہ کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ۔ تو ہم کو کچھ ملال نہیں۔ بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا اگر اسلام اور جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا۔ اور کہا۔ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دونگا۔ مغیرہ اٹھ کر چلے۔ اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ[1] کی جنگ اور فتح

محرم ۱۴ھ (۶۳۵ء) رستم لڑائی کو اب تک برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمربندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج

[1] قادسیہ عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہے نقشہ میں اس کو دائرہ کے متصل سمجھنا چاہیئے۔

نہر کے پار آ گئی۔ خود سامانِ جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زرہیں پہنیں۔ سر پہ خود رکھا۔ ہتھیار لگائے۔ پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا۔ "کل عرب کو چکنا چور کر دونگا"۔ کسی سپاہی نے کہا ہاں اگر خدا نے چاہا۔ بولا خدا نے نہ چاہا تب بھی۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لئے موقعہ جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا۔ موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا۔ جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النسا کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لئے فوج کیساتھ شریک ہو سکے۔ بالاخانہ پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فنِ جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں۔ تو عرب کے مشہور شعراء و خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ، حطیئہ، اوس بن مغرا، عبدۃ بن الطبیب، عمرو بن معدی کرب، اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب بن الہذیل الاسدی۔ بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع سعدی۔ ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ عال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں:۔

ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے:۔

يا معشر سعد اجعلوا حصونكم السيوف وكونوا عليهم كالاسود وادرعوا العجاج وغضوا الابصار فاذا كلت السيوف فارسلوا الجنادل فانها يؤذن بها فيما لا يؤذن للحديد

خاندانِ سعد تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر بن کر جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو۔ جب تلواریں جھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلوار کو نہیں ملتا۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کردیں جس کی تاثیر سے دل دہل گئے اور آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا زیب بدن کئے زریں کمر باندھے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر بند میں ہاتھ ڈال معلق اٹھا زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ "ہر شخص معدی کرب کیونکر ہوسکتا ہے"۔

اس کے بعد اور اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا عرب کے گھوڑوں نے کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے دفعتہً بدکے اور منتشر ہوگئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑے جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر بنو اسد قبیلہ کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے۔ ساتھیوں سے کہا "عزیزو سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے"۔ تمام قبیلہ نے جوش میں آکر باگیں اٹھالیں۔ اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر حملہ آور ہوئے۔ ان کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی۔ لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہوسکتی؟ یہ سن کر وہ دفعتہً بڑھے۔ اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرادیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعد جس وقت بالا خانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے۔ ان کی بی بی بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے۔ اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰ یہ دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی کہ "افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا"۔ سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔ سلمیٰ نے کہا سبحان اللہ بزدلی کیساتھ غیرت بھی"۔ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولین کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے۔ مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابوعبیدہؓ نے شام سے امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں۔ حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کیں اسی زمانے میں ابوعبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے۔ جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مصر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعد کے بھائی، سپہ سالار تھے۔ اور ہراول قعقاع کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو۔ تو مقابلے کو آئے اُدھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ لینا ابوعبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے۔ دونوں حریف تلواریں لے کر مقابل ہوئے۔ اور کچھ دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے سیستان کا شہزادہ شہر براز، اعور بن قطبہ کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا۔ قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دئے تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دئے تھے اور جب ایک دستہ میدان میں پہنچ جاتا تھا۔ تو دوسرا نمودار ہوتا تھا اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا تا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا۔ اور قعقاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کے لئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقعے ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک

ربیل عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمر التمیمی کو تلواریں حوالے کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں آ کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

لقد علم الاقوام انا احقہم — اذا حصلوا بالمرھفات البواتر

سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں — جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور شاعر اور بہادر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا۔ قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

کفیٰ حزنا ان تردی الخیل بالقنا — واترک مشدودا علی وثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں — اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت — مصاریع من دونی تصم المنادیا

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی — اور دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں جن میں پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر اثر کیا کہ خود آ کر بیڑیاں کاٹ دیں۔ انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ میں جا کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا سا ہے لیکن وہ تو قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانے میں آ کر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کئے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو جائے اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن نے کہا بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکہ میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے

---

[۱] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۹۔ [۲] خنساء کے واقعات نہایت عجیب اور عجیب تر ہیں۔ اس کا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اس کے مفصل حالات علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں کوئی اس کا نظیر نہیں گزرا چنانچہ بازار عکاظ میں اس کے خیمہ کے دروازہ پر بقیہ صفحہ ۷۴ پر

بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا:۔

لم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموها بین ایدی اهل فارس واللہ انکم لبنو رجل واحد کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال وآخره

پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا۔ باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ جاؤ! اخیر تک لڑو!

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خدایا میرے بیٹوں کو بچانا۔

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ پچھلے سو سو سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور رسالے بھی اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آ گئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہاشم جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا عین موقعہ پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزدگرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اور برابر فوجیں بھیجتا تھا ہاشم نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا کہ تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو بن معدی کرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں۔ تم ساتھ رہنا

(بقیہ صفحہ ۷۳) پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا۔ اسنی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر شریف۔ گو وہ اسلام بھی لائی۔ اور حضرت عمر کے دربار میں حاضر ہوئی تھی ۱۲

ورنہ عمرو معدیکرب مارا گیا تو پھر معدیکرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو داہنے بائیں تھیں دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی۔ اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدیکرب کا یہ حال کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے نہ ہل سکا۔ آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا۔ اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔ سعدؓ نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں۔ دل کا دل پھٹ جاتا ہے۔ ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انہوں نے کہا کہ انکی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر اور گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعدؓ نے قعقاع عاصم حمال، ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر فیل سفید کی طرف بڑھے عاصم بھی ساتھ تھے دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے علیحدہ ہو گئی ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گونج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا۔ اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں۔ اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعدؓ نے حکم دیا تھا۔ کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے۔ لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کئے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعدؓ کے منہ

سے بے اختیار نکلا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَانْصُرْہٗ یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع، بجیلہ، کندہ سب ٹوٹ پڑے سعد ہر قبیلے کے حملہ پر کہتے جاتے تھے کہ خدایا اسکو معاف کرنا۔ اور یاور رہنا۔ اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ جعفی نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سردار قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اس نے غصہ میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا تو کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کئے۔ اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا ساتھ ہی قیس، اشعث، عمرو معدی کرب، ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نہ نکلنے پائیں۔ اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیرزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا۔ اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ چلا۔ ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کود پڑے۔ اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔ ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی۔ اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا"[1] ایرانیوں نے دیکھا کہ تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

۱؎ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدیکرب، طلیحہ بن خویلد، قرط بن جماع۔ ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا ہم نے جو روایت لکھی ہے وہ اخبار الطوال کی روایت ہے۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعرا نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے:-

برآمد خروشے بکردار رعد ز یکسوئے رستم ز یکسوئے سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت جواں مرد تازی برو چیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں، کہ سعد اس واقعے میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔ شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں شہریار، ابن الہربذ، فرخان اہوازی، خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی لیکن ہرمزان اہود، قارن موقع پاکر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا، مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعدؓ شریکِ جنگ نہ تھے۔ فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی۔ یہاں تک کہ شاعر نے کہا:-

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ	میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی۔
وسعد بباب القادسیۃ معتصم	لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی سے لپٹے رہے
فابنا وقد امت نساء کثیرۃ	ہم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں
ونسوۃ سعد لیس فیھن ایّم	لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعدؓ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا۔ ہر روز آفتاب نکلتے قلعے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے۔ ادھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا۔ اور مژدۂ فتح لیکر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے۔ اس نے کہا خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمرؓ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے۔ اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا۔ تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے امیرالمومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ فرمایا نہیں کچھ حرج نہیں تم سلسلۂ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح رکاب

کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینے پہنچکر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی۔ جس کا آخری فقرہ یہ تھا۔

مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے۔ اور اگر میری خواہش ہو کہ میرے دروازے پر حاضری دو۔ تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں۔ لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے۔ جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ زبردستی فوج میں پکڑے آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعدؓ کے پاس آئے۔ اور امن کی درخواست کی۔ سعدؓ نے دربار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی۔ اور سب نے باتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیدیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آکر آباد ہونے لگے رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کرلیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا۔ اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کیساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزان کو سر لشکر قرار دیا تھا سعدؓ نے انکے استیصال کیلئے ۱۵ھ میں بابل کا ارادہ کیا۔ اور چند سردار آگے روانہ کئے۔ کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام بُرس میں بصبہری سد راہ ہوا۔ اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ بُرس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کرلی۔ اور بابل تک موقع بموقع پُل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گذر جائیں۔ بابل میں اگرچہ بڑے بڑے سردار تخیرجان، ہرمزان، مہران، مہرجان وغیرہ جمع تھے۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گزرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ بنی تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اُسنے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار جو کاسہ تن و توش رکھتا تھا۔ نابل کو کمزور دیکھکر نیزہ ہاتھ سے

پھینک گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پہ گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا۔ نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نابل موقع پاکر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لاکر رکھ دیں۔ سعد نے عبرت کیلئے حکم دیا کہ نابل وہی لباس و اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر وہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانہ کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کر رکھا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔

تلک الایام نداولہا بین الناس۔

کوثی کے آگے پایہ تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ جو ہر روز قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کوئی زوال نہیں آسکتا" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے۔ اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سب نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا۔ اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شیرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے کہا یہ معمولی کاشتکار ہیں انکے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں۔ اور تیر برساتے ہوئے نکلے مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ سے جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ انکی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر ان ہی کو آکر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا۔ تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک میں بھی زندہ ہوں چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلواروں سے مارا تھوڑی

دیر تک لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑایا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے آگے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعد دجلے کے کنارے پر پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے"۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ انکو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت زخار اور مواج تھا۔ لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں بار بار گھوڑوں سے آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آ گئی تو انکو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ دیواں آمدند۔ دیواں آمدند[1] کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر سد راہ ہوا لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے۔ اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیہا فاکہین کذالک واورثناہا قوما آخرین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالتمآب کی صحبت میں رہے تھے۔ عالمگیر اور محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں[2]۔

تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر ایک جا جمع کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، بہرام چوبین کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ، ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا

[1] تاریخ طبری میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ [2] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے ۱۲

جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی۔ جس پر سونے کی پالان تھی۔ اور مہار میں بیش قیمت موتی پروئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا۔ کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا سونے کی زمین زمرد کا سبزہ پکھراج کی جدولیں سونے چاندی کے درخت حریر کے پتے جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج ایسے راستباز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ افسر کے پاس لا کر حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لا کر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعد کو حیرت ہوئی بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا درجہ کے دیانتدار ہیں۔ مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت کو بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں۔ تاکہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کے فتح و اقبال کا تماشہ دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے۔ تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت و خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تہنیت کا جدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے۔ خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی۔ اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاءؔ سنہ ۱۶ ہجری ۶۳۷ع

یہ معرکہ فتوحاتِ عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سپہ سالار لشکر تھا۔ نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گذر گاہوں پہ گوکھرو بچھا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پہ جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع میمنہ پر شعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک ساقہ پر عمرو بن مرۃ مقرر ہوں۔ ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اسی معرکہ ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ موجود تھا۔ اور لاکھوں کی جمعیت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گوکھرو بچھا دیئے اور فوج کو سر و سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا۔ ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے۔ یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے۔ اور فوج کا بڑا حصہ ان ہی کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے نقیبوں سے پکروا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے۔ فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتہً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے گوکھرو بچھے ہوئے تھے مسلمانوں نے بیدریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی

ؔ جلولاء بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو اب چھوٹے سے قصبہ کے نقشہ میں مندرج نہیں ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے ۱۲۰

جان سے مارے گئے۔ اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدۂ فتح کیساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدۂ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو۔ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ بول اُٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے برجستہ کہا ؎

ان جیشنا اطلقونا   بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اسوقت شام ہو چکی تھی۔ اس لئے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں اس کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے حضرت عمرؓ بے ساختہ رو پڑے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے۔ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے۔ رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان کو چھوڑ کر رے روانہ ہوا۔ اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا۔ چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑتا گیا۔ سعد خود جلولاء میں ٹھہرے۔ اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیرین (جو حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچ کر مقام کیا۔ اور ہر طرف امن کی منادی کرا دی۔ اطراف کے رئیس آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے۔ اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ رخ عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ ہجری ۶۳۴ء میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی۔ ابو عبیدہ کو حمص پر یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شرحبیل کو اردن پر عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے

نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلے کے
لئے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے
مقابلے پر بھیجیں یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔
اس کے ساتھ حضرت ابوبکر کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں۔ چنانچہ خالد بن الولید
جو عراق کی مہم پر مامور تھے۔ عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے
دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دیکر وہاں مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلہ
کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین میں پہنچکر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابوعبیدہ
خود پیشقدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور افسروں کو لکھا کہ وہیں آکر مل جائیں۔ چنانچہ شرجیل
یزید، عمرو بن العاص وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بڑے
معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت
ابن اسحٰق ۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳ھ ۶۳۴ء میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر خالد نے پھر دمشق کا
رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شروع
ہوا۔ لیکن چونکہ فتح حضرت عمرؓ کے عہد میں حاصل ہوئی۔ اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا۔ اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے
اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ اس وجہ سے خالد نے بڑے
اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا
جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر، شرجیل
باب الفرادیس پر، ابوعبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچہزار فوج لے کر
باب الشرقی کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرہ کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے۔
خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے
تھے آکر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے۔ ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا
ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے۔ تاہم
ان کو یہ سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے۔ اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی اثنا

میں حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کا یہ بھی خیال تھا۔ کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھٹ جائیگا۔ لیکن ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اُدھر خالد نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دیکر دمشق سے ایک منزل کے فاصلہ پر متعین کر دیا تھا۔ کہ اِدھر سے مدد نہ آنے پائے۔ چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل مایوسی ہو گئی۔ اسی اثنا میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا۔ جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کئے۔ اور اس کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے۔ اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آ سکتا تھا۔ اسی وقت اُٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اُترے اور کمند کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے۔ اور جا کر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی۔ اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جان نثار فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اُتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے۔ اِدھر فوج پہلے تیار کھڑی تھی۔ دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی۔ اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے اور ابوعبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے۔ مقلاط میں جو ٹھٹھیروں کا بازار تھا ابوعبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا۔ اگرچہ لڑ کر فتح کیا تھا لیکن ابوعبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصہ میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں۔ یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی۔ نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی۔ رجب سنہ ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں ہوئی۔

فحل۔ ذوقعدہ سنہ ۱۴ھ (۶۳۵ء)

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا۔ اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے

بعد چونکہ مسلمانوں نے اُردن کا رُخ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی صوبہ کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد میں جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ کے سمجھنے کے لئے یہ بتا دینا ضرور ہے۔ کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے۔ جن میں سے دمشق، حمص، اردن، فلسطین مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے۔ جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی ایک لمبی جھیل ہے۔ اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جس کا پرانا نام پسلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے۔ یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے۔ تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتہً نہ آپڑیں۔ آس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے۔ اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رُک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رُک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابوعبیدہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابوعبیدہؓ نے معاذؓ بن جبل کو بھیجا۔ معاذؓ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیبائے زریں کا فرش بچھا ہے۔ وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا گھوڑا میں تھام لیتا ہوں۔ آپ دربار میں جا کر بیٹھئے۔ معاذؓ کی بزرگی و تقدس کا عام چرچا تھا۔ اور عیسائی تک اس سے واقف تھے اس لئے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے۔ اور ان کا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گذرتا تھا۔ معاذؓ نے کہا میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا کہ ہم تمہاری عزت کرنی چاہتے تھے۔ لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذؓ کو غصہ آیا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے۔ تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔

یہاں تک ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں کوئی اور تم سے بھی بڑھ کر ہے؟ انہوں نے کہا معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر ہوں۔ رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر تک انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔ رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینا کا ملک تم سے قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مرچکا ہے۔ اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا۔ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ معاذ نے کہا سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو شراب پینا چھوڑ دو۔ سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو ــ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت اور کثرت کی پرواہ نہیں خدا نے کہا ہے کَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ ۔ تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو۔ جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے۔ لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے۔ وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں۔ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں۔ رومیوں نے کہا۔ اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں تم یہ ملک چھوڑ کر فارس چلے جاؤ۔ معاذ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابوعبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔ چنانچہ اس غرض سے ایک قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابوعبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہاتھ میں تیر تھے۔ جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہو گا۔ اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا وہ حیران رہ گیا۔ اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابوعبیدہ نے کہا ہاں۔ قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے۔ تم یہاں سے چلے

جاؤ۔ ابوعبیدہ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھے۔ ابوعبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے[1]۔ حضرت عمرؓ نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو۔ خدا تمہارا یار و مددگار ہے۔

ابوعبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی جنگ کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری سے میدان میں بھیجے پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا۔ کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے سبرہ بن مسروق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج لے کر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا۔ اور پہلی دونوں فوجیں بھی آ کر مل گئیں۔ دیر تک معرکہ رہا مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا۔ اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے۔ اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہً ٹوٹ پڑے۔ اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔ عیسائی اپنی مدد کی انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے۔ اور ابوعبیدہ سے کہا۔ کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملہ کا یہی وقت ہے۔ چنانچہ اسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا۔ فوج سروسامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابوعبیدہ بستر خواب سے اٹھے۔ اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد کی ماتحتی میں دئے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابوعبیدہ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

[1] فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لے کر گیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔۱۲

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرین — یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدرانداز، میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے، پیچھے پیادہ فوجیں اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدراندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالد ادھر سے پہلو دیکر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سوار تھے قدرانداز نہ تھے۔ رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسر انکے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا تاہم قلب کی فوج تیراندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا۔ خدا کی قسم جب تک اسکو قلب میں پہنچکر نہ گاڑ دوں گا پھر کر نہ آؤنگا۔ یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گذر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آ گئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی۔ تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کیلیے کسی قدر زمین لی جائیگی۔

---

[1] واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے۔ طبری وغیرہ میں اس کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور واقعہ کی کیفیت میں اختلاف ہے ۱۲۔

حمص ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو ایمیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جس کے تیرتھ کیلئے لوگ دور دور سے آتے تھے اور اسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا بیت المقدس حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت سامان میں دونوں سے کم تھا۔ اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بعلبک پڑتا تھا۔ وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھکر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں انکے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے سمرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دیکر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی ٹوٹی ہوئی فوجوں سے جو کہ ابھی ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرحبیل حمیری نے سات سواروں کو قتل کیا۔ اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے۔ شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالہ نے انکو تنہا دیکھ کر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی شدت قدمی سے جنگ کی۔ یہانتک کہ جب دس گیارہ شخص انکے ہاتھ سے مارے گئے۔ تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جاکر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے۔ اور ڈھیلوں پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ سمرہ کے بعد خالد اور ابوعبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا۔ اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی۔ رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں گے۔ اس کیساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی۔ لیکن سعد بن وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سنکر کچھ فوجیں بھیجدیں جس نے انکو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابوعبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ حماۃ والوں نے انکے پہنچنے کیساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت

لہ کامل ابن الاثیر ۱۲ ۲ یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان واقع ہے ۱۲۔

قبول کرلی۔ ان سے فارغ ہو کر الاذقیہ کا رُخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ فینیش عہد میں اسکو رامنتا کہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پہ مقام کیا اور یہاں کی مضبوطی و استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی۔ یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے۔ اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیبی خیال کیا۔ اور شہر کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمان اسی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمینگاہوں سے نکل کر دفعتہً حملہ کیا اور دم کے دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابوعبیدہؓ نے خاص ہرقل کے پایہ تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اسطرف بھیجدیں۔ لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں اور بڑے بڑے شہروں میں نائب بھیجدیے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ اور ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابوعبیدہؓ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک ۵ رجب ۱۵ھ ہجری

۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں جمعیت میں سروسامان میں کم ہیں۔ پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے۔ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پہ ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک سے ایک برابری کیساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے۔ کہ شراب پیتے ہیں۔ بدکاریاں کرتے ہیں۔ اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے۔ کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت و استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی۔ اور نہایت جوش کیساتھ آمادہ ہوا۔ کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم

لہ فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۳۱۔

قسطنطنیہ۔ جزیرہ۔ آرمینیہ۔ ہر جگہ احکام بھیجے گئے۔ کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں۔ ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے۔ وہاں کے امراء اور رئیس انکے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالفت مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کیلئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے چنانچہ انکے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تمکو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اُترے چنانچہ اُسکے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو مظفر و منصور رکھا اب تمہارا دشمن اس سر و سامان سے تمہارے مقابلے کیلئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان معاویہ کے بھائی کھڑے ہوئے۔ اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں۔ اس کیساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہئے۔ یزید نے جو رائے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے عیسائی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالہ کر دیں۔ یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اُٹھ کر کہا۔ اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے۔ کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے ابو عبیدہ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم انکو انکے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اسوقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے جو کچھ اُنسے وصول ہوا ہے سب انکو واپس

دیدو۔ اور اُن سے کہدو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمہاری حفاظت کے ذمہ وار نہیں ہو سکتے اسلئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کُل واپس کردی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے۔ اور جوش کیساتھ کہتے جاتے تھے۔ کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا توریت کی قسم۔ جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جسقدر رقم وصول ہو چکی ہے واپس کردی جائے[1]۔ غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی۔ حضرت عمرؓ یہ سُنکر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے۔ لیکن جب انکو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ میں مدد کے لئے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں۔ لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور اُن سے مشورت کی یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لیکر پہنچا جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے۔ اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں ایک جا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں[2]۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچکر قیام کیا عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے۔ یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کیلئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور مقامات کے یہاں سے قریب تھی۔ اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا۔ جس سے یہ موقع حاصل تھا۔ کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کیساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی ادھر رومیوں کی آمد اور اُن کے

---

[1] ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ میں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج صفحہ ۸۱ میں۔ ازدی نے فتوح الشام صفحہ ۱۳۸ میں بہ تفصیل لکھا ہے ۱۲

[2] یہ سب بہ تفصیل واقعات فتوح الشام ازدی سے لئے ہیں لیکن ابو عبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا، ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے ۱۲

سامان کا حال سُن سُن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس جگہ سے گذرتی ہے۔ راہب اور خانقاہ نشین جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا۔ تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کیساتھ پکار کر کہا کہ امیرالمومنین خدا کیلئے ہمکو اجازت دو کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں۔ خدانخواستہ انکا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بیسود ہے۔ مہاجرین و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا یہانتک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ امیرالمومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہم کو ساتھ لیکر چل۔ لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا کہ دشمن کہاں تک آگئے ہیں۔ اُسنے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے اتنے عرصے میں مدد کیونکر پہنچ سکتی ہے۔ ابو عبیدہ کے نام نہایت پُر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ عمر تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اهل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیهم شد اللیوث ولیکونوا اهون علیکم من الذر فانا قد علمنا انکم علیهم منصورون ۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کیساتھ پہنچ گئے مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انھوں نے نہایت استقلال کیساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں۔ خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے میمنہ پر مقرر کیا قباث ابن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی۔ اپنی رکاب کی فوج کے چار حصے کئے ایک کو اپنی رکاب میں رکھا اور باقی پر قیس بن ہبیرہ۔ میسرہ بن مسروق۔ عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے سر و سامان سے نکلے دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں۔ جن کے آگے آگے اُنکے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے۔ فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے بڑھے ؏

سائل نساء الحي فى حجالها　　پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو

[illegible] حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا

السنت یوم الحرب من ابطالہا کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا

غلیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال چکا تھا کہ ان کا وار چل گیا۔ تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک چلی گئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں۔ لیکن سب نے شکست کھائی اس دن یہیں تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی ہو گئی۔

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا۔ بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابوعبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا قاصد جو پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق و شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت، سکون و وقار اور خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابوعبیدہ سے چند سوالات کئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ ابوعبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔ یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم سے لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملٰئکۃ المقربون تک مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا تو جارج بے اختیار پکار اٹھا کہ بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے یہ کہہ کر اس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن ابوعبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا خیال نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا۔ اسکے ساتھ چلے آنا۔ دوسرے دن خالد رومیوں کے لشکرگاہ میں گئے رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کیلئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں طرف دور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کیساتھ استقبال کیا اور لا کر اپنے برابر بٹھایا

مترجم کے ذریعے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن ہم نے جسکو سردار بنا رکھا ہے اسکو اگر ایک لحظہ کیلئے بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں۔ باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ اہل عرب تمہاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ان کیساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا۔ لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہمکو ہمارے ملک سے نکال دو۔ تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل وحشی اور بے سر و سامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے ہم اس پر بھی درگذر کرتے ہیں۔ بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیئے جائیں گے"۔ باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہ تم دولتمند ہو مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کیساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے۔ اور آج وہ خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم وجہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ کر برباد ہو جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور ان کو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور انکی عبادت کرتے تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ اور ہم میں سب سے زیادہ شریف زیادہ فیاض زیادہ پاک خو تھا۔ اس نے ہمکو توحید سکھلائی۔ اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بیوی اور اولاد کوئی نہیں رکھتا وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جس نے انکو مانا وہ مسلمان ہے۔ اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے۔ اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں۔ جس کو دونوں سے انکار ہوگا اس کے لئے تلوار ہے:

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دینگے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھکر

چلے آئے۔ اب اس اخیر لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جسکے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالدؓ کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سنا اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ جبتک تم اُنکی رعایا نہ بن جاؤ اُن کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے تم کو انکی غلامی منظور ہے تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائینگے مگر یہ ذلّت گوارا نہیں ہو سکتی۔ صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سر و سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے صف آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اُس کے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کیساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا۔ میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل مامور ہوئے میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ افسر جو متعین کئے چنانچہ اُن لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے خطبا رجو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہل چل ڈال دیتے تھے آگے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔ اللّٰہ انکم ذادۃ العرب وانصار الاسلام وانہم ذادۃ الروم وانصار الشرک اللّٰھم ان ھذا یوم من ایامک اللّٰھم انزل نصرک علی عبادک۔

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایھا الناس غضوا الابصار واشرعوا الرماح و	یارو نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان کر اپنی جگہ پر جمے ہو
الزموا مراکزکم فاذا حمل عدوکم فامھلوھم حتیٰ	پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ یہاں تک کہ جب
اذا رکبوا اطراف الاسنۃ فثبوا فی وجوھھم وثب الاسد	برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰، ۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسولؐ کا جمالِ مبارک دیکھا ایک ہزار تھے سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے ہمرکاب رہے تھے عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلہ کے تھے حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان۔ خولان۔ لخم۔ جذام کے مشہور سردار تھے اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں۔

عضدوا غلفان بسیوفکم امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورۂ انفال (جسمیں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

اُدھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں کے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں

کہ سننے کا خیال تک آئے۔ جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی دو لاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا۔ ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے تھے یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے خالد نے جھلا کر کہا چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لیں۔ غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس قدر زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گئے عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ مردو ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔ خولہ یہ شعر پڑھ پڑھ کر غیرت دلاتی تھیں

یا ہاربا عن نسوۃ تقیات رمیت بالسہم والمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصہ کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے نے کہا یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانسو آدمی لیکر بڑھے اور عیسائیوں کو جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملے سے محکم رہا عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر۔ ہاتھ۔ بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ ازدیو! دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔ نو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر شہادت حاصل کی۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعتہً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے۔ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے

سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے زانو پر اُن کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا۔ خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم[1] شہید ہو کر نہ مریں گے۔ غرض عکرمہ اور اُن کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے۔ لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے خالد کے حملوں نے اور بھی اُن کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد اُن کو دباتے ہوئے سپہ سالار دربجان تک پہنچ گئے دربجان اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لیے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اُس وقت جب اِدھر میمنہ میں بازار قتال گرم تھا ابن قناطیر[2] نے میسرہ پر حملہ کیا بدقسمتی سے اس حصہ میں اکثر لخم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگذار بنتے آئے تھے رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اُس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تھا رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور اُنکی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم نے سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرجیل بن حسنہ داد شجاعت دے رہے تھے قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے تاہم اُن کے تہور بل نہ آتا تھا نیزہ ٹوٹ کر گرتا تھا تو کہتے تھے کہ کوئی ہے جو اُس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا لوگ فوراً تلوار یا نیزہ لا کر اُن کے ہاتھ میں دے دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے ابو الاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنی رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت۔ دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ سعید ابن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے رومی اُنکی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان و معاویہ کے بھائی بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے اُن کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے اُن کی طرف آنکلے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا جان پدر اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے تیری فوج میں ایک سپاہی

[1] تاریخ طبری واقعہ یرموک ۱۲ [2] رومیوں کے میمنہ کا سپہ سالار تھا ۱۲

بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لیگیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے۔ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کیطرح ڈٹے کھڑے تھے قرآن کی یہ آیت ان اللہ اشترٰی من المومنین انفسہم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون پڑھتے تھے اور نعرے مارتے تھے کہ خدا کیساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں! یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار ٹوٹ پڑا یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے اُن کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے اُدھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آ کھڑی ہوئیں۔ اور چلا کر کہتی تھیں۔ کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کیطرف تھا دفعۃً قیس بن ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں۔ اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اُسکے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں اُنکی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی حباش ابن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے اسی اثنا میں کسی نے اُن کے پاؤں میں تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا حباش کو خبر تک نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا۔ تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا۔ اُن کے قبیلے کے لوگ ہمیشہ اس واقعہ پر فخر کرتے تھے چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا ہے

ومنا ابن عتاب وحاشی رجلہ ومنا الذی ادی الی الحی حاجبا[1]

رومیوں کے جسقدر آدمی مارے گئے اُنکی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری و ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا۔ جنمیں ضرار بن ازور، ہشام بن العاص، ابان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی اُسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی چلتے وقت شام کیطرف رُخ کر کے کہا "الوداع اے شام"

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح بھیجا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جسمیں حذیفہ بن الیمان بھی تھے حضرت عمر یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے فتح کی خبر پہنچی تو دفعۃً سجدے

---

[1] یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہیں مگر رب اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالد کو قنسرین روانہ کیا شہر والوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آ کر آباد ہو گیا تھا۔ یہ لوگ مدت تک کمبل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوا لی تھیں حضرت ابو عبیدہ نے ہم قومی کے لحاظ سے اُنکو اسلام کی ترغیب دی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے صرف بنو سلیح کا خاندان عیسایت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا قبیلہ طے کے بھی بہت لوگ یہاں آباد تھے انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کے فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا رُخ کیا شہر سے باہر میدان میں عرب کے باہر بہت سے قبیلے آباد تھے انہوں نے جزیہ پہ صلح کر لی اور تھوڑے دنوں بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد کی خبر سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کیطرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور اُن کی جان و مال۔ شہر پناہ مکانات قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا اس کے بعد انطاکیہ آئے چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آ کر پناہ لی تھی ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی اس صدر مقامات کے فتح ہونے سے . . . .

. . . . تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آ کر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ۔ سرمین۔ توزی۔ قورس۔ تل۔ عزاز دلوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے ہلے میں فتح ہو گیا۔ رجرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے اُنکی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان و تنوخ۔ ایاد رومیوں کیساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں؛

بیت المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصہ میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک نابلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جبرین۔ تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام واقعہ پیش آجاتا تو فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ سے جا ملتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہو جاتے تھے یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے اُسوقت حضرت ابوعبیدہ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے چنانچہ اُدھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رُخ کیا عیسائیوں نے ہمت ہار کر صُلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح اُن کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی حضرت عثمانؓ نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ انکی اس درخواست کو رد کر دیں تو اُن کی اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان اُنکو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے لیکن حضرت علیؓ نے اُن کے خلاف رائے دی حضرت عمرؓ نے انہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں کیں۔ حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار اُنکو سپرد کئے اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ناظرین کو انتظار ہو گا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت خدم و حشم لاؤ لشکر ایک طرف معمولی خیمہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔ سرداروں کو اطلاع دے دی تھی کہ جابیہ میں آکر اُن سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر اور دیبا کے حلّے اور

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸ ۲؎ یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علیؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ کا نام لیا ہے ۳؎ یعقوبی صفحہ ۱۶۷

پرتکلف قبائیں پہنے اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں (یعنی سپہ گری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے)۔ فرمایا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ عبرت انگیز لہجہ میں یہ آیت پڑھی کم ترکوا من جنات وعیون الخ پھر نابغہ کے چند عبرت انگیز اشعار پڑھے۔ جابیہ میں دیر تک قیام رہا۔ اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان کے ملنے کیلئے دمشق روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا خیر ہے۔ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ غرض معاہدۂ صلح لکھا جا کر بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ثبت ہو گئے۔[۱]

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو شوخیاں کرنے لگا۔ فرمایا کم بخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی۔ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔ غرض اسی حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلالؓ نے جو رسول اللہ کے مؤذن تھے آ کر شکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا۔ انہوں

[۱] طبری صفحہ ۲۴۰۳۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدۂ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا۔ اس معاہدہ کو چونکہ ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ

نے عرض کیا کہ اُس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں۔ جتنی قیمت میں حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اُسی قیمت پر پرندہ کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو۔ بلالؓ نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج اور صرف آج، آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی ابوعبیدہ معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے حضرت عمرؓ کی ہچکی بندھ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا ایک دن مسجد اقصٰی میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور اُن سے پوچھا نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصٰی میں ایک پتھر ہے جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے اسکو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جسطرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمرؓ نے قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کی طرف حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں ابتک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اتار دی اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگار کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے اس موقعہ پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ ۱۲۰ و ۱۴۰ کو بھی ملاحظہ فرمانا چاہیئے!

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ۶۳۸ء

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب پیدا نہیں ہوا تھا اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی اُدھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کیساتھ شام کیطرف بڑھے۔ ابوعبیدہؓ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے

تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابوعبیدہؓ کا خط آیا تو ہر طرف تامدد دوڑا دیئے قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر حمص پہنچ جائیں سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچکر جزیرہ والوں کو حمص کیطرف بڑھنے سے روکیں عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کیطرف روانہ کیا ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچکر عرب کے اُن قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے جزیرہ والوں نے سنا کہ خود اُن کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے عرب کے قبائل جو کہ عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھتائے اور مخفیہ پیغام خالد کو بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس میں دوسرے شخص (ابوعبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں اور حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پرواہ نہ ہوتی تاہم اگر تم سچے ہو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ اُدھر فوج نے ابوعبیدہؓ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو انہوں نے خالد سے پوچھا۔ خالد نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے۔ عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں ہے پھر کس بات کا اندیشہ ہے اس پر بھی ابوعبیدہؓ کا دل مطمئن نہیں ہوا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پُرزور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی میں گواہی دیتا ہوں اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ فوج پہلے ہی حملہ کرنے کے لئے بیقرار تھی ابوعبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعتہً سب نے ہتھیار سنبھال لئے۔ ابوعبیدہ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ و میسرہ کو لیکر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کیساتھ مدد کو آئے تھے حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑ کر سو سواروں کیساتھ ابوعبیدہ سے آملے مسلمانوں کے حملہ کیساتھ عرب کے قبائل جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا ابتری کیساتھ پیچھے ہٹے اُن کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک اُنکے قدم نہ جمے یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتدا خود عیسائیوں کیطرف سے ہوئی اور جس کے بعد پھر اُن کو کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا!

حضرت خالدؓ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں حضرت خالدؓ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مؤرخین

کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کیساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی ابن الاثیر وغیرہ یہی لکھتے آئے ہیں لیکن یہ انکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں خود ہی ۱۳ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ھ کے واقعات میں انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں اُن سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے اُنکو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آتا ہوں اور اب اسکے خلاف نہیں کر سکتا حضرت عمرؓ کو انکی یہ مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم اسطرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیئے گئے چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالد کے احوال میں تفصیل لکھا ہے۔

بایں ہمہ اُن کو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا اسکے بعد ۱۷ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار روپیہ انعام میں دیئے پرچہ نویسوں نے اُسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی دونوں صورتوں میں معزولی کے قابل ہیں خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے قاصد نے جو معزولی کا خط لیکر آیا تھا مجمع عام میں خالد سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ اُن سے درگذر کیجائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اُتار لی اور انکی تابی کی سزا کے لئے اُنہی کے عمامہ سے انکی گردن باندھی یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جسکا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اسطرح ذلیل کیا جاتا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا اس واقعہ سے ایکطرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے خالد نے حمص پہنچکر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھکو معزول کر دیا اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار

چونکہ ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے خالد نے کہا ہاں لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔ خالد مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ خدا کی قسم تم میرے معاملے میں ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ چنانچہ بیس ہزار روپیہ نکلے اور بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالد کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالد! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں یہ کہہ کر تمام عمال ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں اس لیے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔[1] ان واقعات سے ایک نکتہ بیں شخص با آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸ھ
۶۳۹ع

اس سال شام، مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر و انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ پہنچ کر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا اور طیش میں آ کر کہا

افرارا من قدر اللّٰہ — یعنی اے عمرؓ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو!

حضرت عمرؓ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا!!

نعم نفر من قضاء اللّٰہ الی قضاء اللّٰہ — یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی طرف ہوں

غرض خود مدینہ چلے آئے ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کیلئے یہاں آ جاؤ۔ ابو عبیدہؓ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے ہو گا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ پڑھ کر رو دیئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۸۸۔ اور تاریخ طبری ۲۵۲۸ سے طبری صفحہ ۲۵۲۶ تک ایک مقام تا ب ۱۲۰

مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کرکے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابوعبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر قیام کیا جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔ جابیہ پہنچکر ابوعبیدہ بیمار پڑے جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا۔ اور نہایت پُراثر الفاظ میں وصیت کی معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی اُدھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا بیماری اُسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہیں بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اس لئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے معاذ نے سُنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا بلا نہیں ہے خدا کی رحمت ہے خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا نہایت استقلال کیساتھ کہا یابنی الحق من ربک فلا تکونن من الممترین یعنی اے فرزند دیکھو یہ خدا کی طرف سے ہے دیکھ شبہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے یہ کہکر انتقال کیا معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے وبا کا زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمۂ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اُس کو خدا کی رحمت سمجھے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا معاذ کے مرنے کیساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اُٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیئے اگرچہ اُن کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ جھوٹ کہتا ہے تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا فوج اُن کے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا لیکن یہ تدبیر اُسوقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دُنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے موت کے مہمان ہو چکے تھے انہیں ابوعبیدہؓ معاذ بن جبل یزید بن ابی سفیان حارث بن ہشام سہیل بن عمرو عتبہ بن سہیل بڑے درجے کے لوگ تھے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رُک گیا فوج بجائے اسکے مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ بن گئیں جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا حضرت عمر نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی اور

خود ایلہ کو روانہ ہوئے یرفا اُنکا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اُس کے اونٹ پر سوار ہو لئے راہ میں جو لوگ دیکھتے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں فرماتے کہ تمہارے آگے اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا مرمت کیلئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا اُس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا حضرت عمر نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے ایلہ سے دمشق آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظام کئے فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں جو لوگ وبا میں ہلاک ہو گئے تھے اُن کے دور نزدیک کے وارثوں کو بلا کر اُن کی میراث دلائی سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں اُن پر نئے عہدہ دار قائم کئے ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔ اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اور اگر حضرت عمر نے نہایت مستعدی سے کام نہ لیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے اسی سال مہاجرین و انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کئے چنانچہ انتظامات کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی۔

قیساریہ کی فتح۔ شوال سنہ ۱۹ھ

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانہ میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین بازار آباد تھے اس شہر پر اول اول سنہ ۱۳ھ میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن نہ ہو سکا ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمر نے یزید بن ابی سفیان کو اُنکی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کیساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا لیکن سنہ ۱۸ھ میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور وہیں وفات پائی امیر معاویہ نے بڑے سر و سامان سے محاصرہ کیا شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازہ تک گئی تھی چنانچہ چند بہادروں نے اُس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگا دیے مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں سے بہت کم زندہ بچی چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اس کی فتح سے گویا شام کا خاتمہ ہو گیا

جزیرہ[1] ۱۶ ہجری

مدائن کی فتح سے دفعۃً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب اُن کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا اُس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبہ نے بجائے خود عرب کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی سعد نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبد اللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل میمنہ پر ابن الحارث میسرہ پر فرات بن حیان ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے عبد اللہ بن المعتم پانچہزار کی جمعیت سے تکریت[2] کیطرف بڑھے اور اُس کا محاصرہ کیا مہینہ سے زیادہ محاصرہ رہا اور ۲۴ حملے ہوئے چونکہ عجمیوں کیساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب نمر بھی شریک تھے عبد اللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو! اسکا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا عجمی مقابلہ کو نکلے تو اُن کے ساتھ عربوں نے عقب سے اُن پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے؟

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور پر عراق کے سلسلہ میں آگیا اس لئے مورخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے اور خود اس زمانہ میں یہ واقعہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا ۱۷ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں سعد نے عیاض بن غنم کو پانچہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا عیاض عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا پایۂ تخت [illegible] مقام تھا ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اُس سرے تک فتح ہو گیا جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں اُن کے یہ نام ہیں۔ رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمیساط، سروج، قرقیسا، زوزان، عین الوردہ

۱؎ جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اسکی حدود اربعہ یہ ہیں مغرب آرمینیا کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام مشرق عراق شمال آرمینیا کے کچھ حصے یہ مقام درج نقشہ ہے ۱۲

۲؎ تکریت جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے ملی ہوئی ہے دجلہ کے غربی جانب واقع ہے بغداد سے ۳۰ منزل پر ہے

خوزستان[1]

سنہ ۱۶ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن وامان قائم نہیں ہو سکتا چنانچہ سنہ ۱۷ھ کے شروع میں اہواز پر جسکو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دیکر صلح کر لی مغیرہ وہیں رک گئے سنہ ۱۷ھ میں مغیرہ معزول ہو کر اُنکی جگہ ابوموسیٰ اشعری مقرر ہوئے اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا مجبوراً ابوموسیٰ نے لشکر کشی کی اور اہواز کو جا گھیرا شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن آخر کار شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا غنیمت کیساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بنکر تقسیم کر دیئے گئے لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے ابوموسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملہ روکا اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے اُن کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا ابوموسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابوموسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُسکے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں ابوموسیٰ نے منظور کیا رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اُسکو امن دیدیا جاتا تھا بد قسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابوموسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی یزدگرد اُسوقت قم میں مقیم تھا اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے ابوموسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اُنکو برابر پہنچتی تھیں ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں یزدگرد نے اُسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور

---

[1] خوزستان اُس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے اُس میں ۱۴ بڑے شہر ہیں جن میں سب سے بڑا شہر اہواز ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ بھی یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچکر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اُس کیساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کیلئے آمادہ کریں اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت اعظم فراہم ہو گئی ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کیساتھ مدد کو بھیجیں لیکن غنیم نے جو سروسامان کیا تھا اُس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدھی فوج کیساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لیکر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ اُدھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لے کر جلولا پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ براء بن مالک کو دیا جو حضرت انس مشہور صحابی کے بھائی تھے، میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے اُدھر ہرمزان فوج کو نہایت بہادری سے لڑا رہا تھا عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا براء مارے گئے ساتھ ہی مجزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے اُنکا کام بھی تمام کر دیا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی ؛۔

ایکدن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا اُس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر جیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اُتر کر ایک تہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوا اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا شہری نے اُن کو تمام عمارات کی سیر کرائی موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے اشرس نے اُس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے اشرس اُسی تہ خانہ کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے اُدھر ابو موسیٰ فوج کیساتھ موقع پر موجود تھے دروازہ

کھلنے کیساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہل چل پڑ گئی ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا تاہم میں اس شرط پر اُتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ عمرؓ کے ہاتھ سے ہو۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اُس کیساتھ جائیں ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے مدینہ کے قریب پہنچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی اور شاہان عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے کمر سے مرصع تلوار لگائی غرض شان و شوکت کی تصویر بنکر مدینہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیرالمومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دُنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اُس کا دربار بھی بڑے سروسامان کا ہوگا حضرت عمرؓ اُس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے تھے ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اُس کے زرق و برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھُلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کیطرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں، اس کے بعد ہرمزان کیطرف مخاطب ہوئے اسوقت تک مترجم نہیں آیا تھا مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اسلئے اُنہوں نے ترجمانی کی حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا مغیرہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ از کدام ارضی پھر اور باتیں شروع ہوئیں قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر جاتا تھا شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اسقدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی اُس نے کہا عمرؓ! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لیکر درخواست کی کہ جبتک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں گا حضرت عمرؓ نے منظور کیا اُس نے پیالہ ہاتھ سے رکھدیا اور کہا کہ میں نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے مطابق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے[2] اسلام قبول کیا حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اُس کے واسطے دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ ۱۲ [2] عقد الفرید ابن عبد ربہ باب الکیدة فی الحرب ۱۲

اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوستر سے ۲۴ میل پر ہے کئی دن تک محاصرہ رہا ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کیساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمانوں کو اُنکے اطمینان پر تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا شہر والوں نے کہا تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے اب کیا جھگڑا رہا سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی حجت نہیں ہو سکتی شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے تھے آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جسکو اُس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور فتوحات کی فہرست میں ایک نیا ملک اضافہ ہو گیا۔

عراقِ عجم سنہ ۲۱ ہجری

جلولاء کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں یزدگرد رے چلا گیا لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا یہاں پہنچکر مرو میں اقامت کی آتش پارسی ساتھ تھی اُسکے لئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت اور حکومت کے ٹھاٹھ لگائے یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کیساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا دست و بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا یہ حالت سنکر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اُسکا وہ پہلا رعب داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتہ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اُسوقت یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقام تک پہنچکر رک جائیگی اس لئے انکو اپنی خاص سلطنت کیطرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان کے واقعہ سے اُنکی آنکھیں کھلیں ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے اس سرے طبرستان۔ جرجان۔ نہاوند۔ رے اصفہان۔ ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قم میں آ کر ٹھیرا یزدگرد نے مردان شاہ کو جو ہرمز کا فرزند تھا سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا اس معرکہ میں درفش کاویانی جسکو عجم فال ظفر کہتے تھے مبارک فال کے لحاظ سے نکالا گیا چنانچہ مردان شاہ جب نہاوند

۱؎ سرزمین عراق دو حصوں میں منقسم ہے مغربی حصہ کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصہ کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں طبرستان۔ جنوب میں شیراز۔ مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر مراغہ واقع ہے اسوقت کے بڑے بڑے شہر اصفہان ہمدان اور رے سمجھے جاتے ہیں رے اس وقت سے بالکل ویران ہو گیا اور اسی کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے۔ جو شاہان قاچار کا دار السلطنت ہے۔ ۱۲

ہوا تو اُس مبارک علم کا پھریرا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اسوقت کوفہ میں گورنر تھے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ عمار کا خط لئے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کے کہا کہ اے گروہ عرب اس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دُنیا سے مٹا دے تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپکو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ جو آپ حکم دیں بجا لائیں۔ حضرت عثمان نے کہا میری رائے ہے کہ شام یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں اور آپ اہل حرم کو لیکر مدینہ سے اٹھیں۔ کوفہ میں تمام فوجیں آپکے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کیطرف رُخ کیا جائے حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی چپ تھے حضرت عمر نے اُنکی طرف دیکھا وہ بولے شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائیگا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہوگا میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام یمن، بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیجدیئے جائیں کہ جہاں جسقدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمر نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بنکر کون جائے لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کر لی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُنکی نگاہ میں تھے چنانچہ اس موقعہ پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے۔ حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے انکی تائید کی۔ نعمان تیس ہزار کی جمعیت لیکر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان۔ عبد اللہؓ بن عمر۔ جریر بجلی۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوس کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے نہاوند سے نو میل اُدھر اسپدہان ایک مقام تھا وہاں پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں اُنکو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند کو بڑھنے نہ پائیں اس طرح دشمن بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بنکر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار سجایا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زریں پر بٹھا دیا۔

تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے دیبائے زرکش کی قبائیں، سر پر تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنکر بیٹھے، اُنکے پیچھے دُور دُور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جنکی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مرزان شاہ نے کہا اہل عرب سب سے زیادہ بدبخت سب سے زیادہ فاقہ مست۔ سب سے زیادہ ناپاک جو قوم ہوسکتی ہے تم ہو۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے لیکن مجھکو یہ گوارہ نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دونگا۔ مغیرہ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے لیکن اس ملک میں آکر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزے ہم سے اُسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔ غرض سفارت بے حاصل ہو گئی اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ۔ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جنکی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکلکر حملہ آور ہوتے تھے نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خویلد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دیکر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کیلئے کہ کوئی پیچھے نہ ہٹنے پائے جسقدر بڑھتے آتے تھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ گوکھرو کی حد سے نکل آئے نعمان نے اِدھر جو فوجیں جما رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں جونہی عجمی زد پر آئے اُنہوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے اُس سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے مغیرہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمان اپنے خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے پہلے نعرہ پر فوج سروسامان سے درست ہو گئی دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے میدان میں اسقدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی جونہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن

اُن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور اُنکی کلاہ اور قبا پہن کر اُنکے گھوڑے پر سوار ہوگئے اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی اس مبارک زمانے میں مسلمانونکو جو خدا نے ضبط و استقلال دیا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے نعمان جسوقت زخمی ہو کر گرے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی اُن کے پاس سے نکلا دیکھا کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں گھوڑے سے اُتر کر اُن کے پاس بیٹھنا چاہا کہ اُن کا حکم یاد آگیا اُسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوگئی خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمرؓ کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے مسلمانونے ہمدان تک تعاقب کیا خذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچکر مقام کیا یہاں ایک مشہور آتشکدہ تھا اُسکا موبد خذیفہ کیخدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتا دوں چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کئے جنکو کسریٰ نے مشکل وقتوں کیلئے محفوظ رکھا تھا خذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا حضرت عمر کو دو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی قاصد نے مژدۂ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے لیکن نعمان کا شہید ہونا سُنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پہ ہاتھ رکھ روتے رہے قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو میں نہیں جانتا حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمرؓ نہ جانے تو نجانے خدا اُنکو جانتا ہے جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لے جاؤ اور خذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے اس معرکے کے بعد پھر کبھی عجم نے زور نہیں پکڑا چنانچہ اس فتح کا نام عرب نے فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت عمر کی شہادت لکھی تھی اس لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۲۱ھ

اسوقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا لیکن وہ درحقیقت عرب کا

ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم اُن پر چڑھ کر جا سکتے۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہ آتا تھا وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اسپر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے لوگوں نے کہا جبتک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہیگا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے اسوقت تک اُنکی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو سابور آردشیر کا مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو۔ افسا کا ساریہ بن زہیم الکنانی کو۔ کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا عاصم بن عمرو کو مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کیطرف روانہ ہوئے چنانچہ ہم اُنکو الگ الگ ترتیب کیساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے ۲۱ھ میں عبد اللہ بن عبد اللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی یہاں کے رئیس نے جسکا نام استندار تھا اصفہان کے نواح میں بڑی جماعت فراہم کی تھی جسکے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جسکو دعوی ہو تنہا میرے مقابلہ کو آئے عبد اللہ خود مقابلے کو نکلے جادویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی عبد اللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں ہم تم لڑکر خود فیصلہ کرلیں دونوں حریف میدان میں آئے فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا عبد اللہ نے اس پامردی سے اُسکے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفرین نکلی اور کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں جو چاہے جزیہ دیکر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبد اللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدہ صلح لکھدیا اسی اثنا میں یہ خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو اُدھر روانہ کیا انھوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچکر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف

فوجیں پھیلادیں یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے یہ حالت دیکھ کر جھوٹوں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن ویلم نے رے آذربیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کر لی ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لیکر آیا دوسری طرف آذربیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا وادی رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا آخر ویلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمر کے پاس شکست کی خبر لیکر گئے تھے اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اس کی تلافی ہو جائے حضرت عمر ویلم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتہً عروہ پہنچے حضرت عمر کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں بے ساختہ زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ نکلا عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں خدا نے مسلمانوں کو فتح دی حضرت عمر نے نعیم کو لکھا کہ ہمدان میں کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رے کو روانہ ہوں رے کا حاکم اس وقت سیاوخش تھا جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا اس نے دیناوند۔ طبرستان۔ قومس۔ جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں لیکن زینبدی جسکو سیاوخش سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آ ملا اسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور حملہ کے ساتھ دفعتہً شہر فتح ہو گیا نعیم نے زینبدی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے حضرت عمر کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر جنگ کے فتح ہو گیا اس فتح کے بعد تمام عراق عجم پر پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربیجان ۲۲ھ

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں حضرت عمر نے آذربیجان کا علم عتبہ بن فرقد اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی معین کر دی تھیں بکیر جو میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام ان کا سد راہ ہوا لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں

؎ نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز جو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے سابق میں یہاں شہر ارمیہ تھا ... اور جس کی ... آباد ہیں اور آذربیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ ... آذر ... ایک آتشکدہ بنایا تھا جس کا نام آذربایجان تھا دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے معنی آتش کے ہیں اور بائیگان کے معنی ہیں محافظ کے یعنی نگہبان آتشکدہ چونکہ اس صوبہ میں آتشکدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے یہی نام ہو گیا جسکو عرب نے اپنی زبان میں آذربیجان کر لیا۔ ۱۲

چونکہ آذربیجان انہیں دو بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربیجان کا رئیس بنکر جزیہ ادا کرتا رہے مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا علم حذیفہ ابن یمان کو ملا تھا وہ نہاوند سے چلکر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا یہاں کے رئیس نے باجروان۔ میمند۔ سراۃ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلان پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد انکی جگہ مقرر ہوئے عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا:۔

طبرستان[1] سنہ ۲۲ ھ ۶۴۳ ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو اُن کے بھائی سوید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آ گیا یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے سوید نے وہاں کے رئیس رزبان سے نامہ و پیام کیا اس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدہ صلح میں تصریح لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دینگے وہ جزیہ سے بری ہیں جرجان کی خبر سنکر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہبد کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کریگا۔ اور مسلمانوں کو اُن پر یا اُن کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا:۔

آرمینیہ[2]

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی باب کا رئیس جسکا نام شہر براز تھا مجوسی تھا اور سلطنت ایران کے ماتحت تھا مسلمانوں کی آمد سنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ کو جزیہ نہ لیا جائے بلکہ

---

[1] نقشہ میں طبرستان فتوحات شمالی میں ہوگا اسلئے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ پر چھوڑ دیا گیا تھا اسکی حدود اربعہ یہ ہیں مشرق میں خراسان و جرجان مغرب میں آذربیجان شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد جبل بسطام اور استر آباد کے مشہور شہر ہیں ۱۲۔

[2] عرب آرمینیہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے شمال میں بحر اسود جنوب میں کردستان اور عراق عرب تک چلا گیا ہے مشرق میں کوہستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا اسلئے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے ۱۲

جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد دی جائے چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اسلئے یہ شرط منظور کر لیگئی یہاں سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں عبدالرحمن بن ربیعہ بلنجر کیطرف بڑھے جو خزر کا پایۂ تخت تھا روانہ ہوئے شہربراز ساتھ تھا اُسنے تعجب سے کہا کہ یہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں عبدالرحمن نے کہا لیکن میں جبتک اُنکے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں رہ سکتا چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ ختم ہوگیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ہو گیا حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رُخ کیا لیکن قبل اسکے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اُڑتا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔۔

فارس؎ سنہ ۲۳ھ
۶۴۴ء

فارس پر اگرچہ اول اول سنہ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت نہ تھی اور نہ اس وقت چنداں کامیابی ہوئی۔ ہم نے اُس زمانے کے واقعات کیساتھ اسکو لکھنا مناسب سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے درمیان میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء ابن الحضرمی سنہ ۱۷ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے۔ اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہر میدان میں اُن سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک تھا یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سرلشکر تھے اور جارود بن معلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں اصطخر پہنچکر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اُتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا۔ وہ ایک گروہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس طرح صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی۔ اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کیساتھ مقابلے کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کیساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔ خلید اور جارود بڑی جانبازی سے

؎ حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود تک فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں۔ مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کی حدود یہ تھیں۔ شمال میں اصفہان، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب۔ اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔ ۱۲

رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز یہ تھا:-

یا آل عبد القیس للقراع — قد حفل الامداد بالجراع
وکلهم فی سنن المصاع — یحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں مسدود تھیں ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں حضرت عمرؓ کو فارس کے حملے کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کیلئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھے اور مسلمان جہاں گھرے پڑے تھے وہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ ادھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کثیر جسکا سر لشکر شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا دونوں حریف دل توڑ کر لڑے۔ بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔

واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں۔ تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور اردشیر توج، اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ان سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کیساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکاواں فتح کر کے توج پر بڑھے اور اسکو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈالدی۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کئے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے اس طرح اردشیر، سابور، اصطخر، ارجان کے بہت سے حصے دبا لئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا رام شہر پہنچا تھا کہ ادھر سے خود حکم آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی اور ایک دستہ سب کے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائیگا۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک مارا گیا۔ اسکے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیجدیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک بیٹھ گئی عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے چنانچہ کازرون، نوبندجان، شیراز، سابور جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے

فتح ہوئے۔ فسا، دراز الجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان[1] ۲۳ھ ۶۴۴ع

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ھ میں ایک فوج لیکر جس کا ہراول بشیر بن عمر العجلی کی افسری میں تھا، کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفص وغیرہ سے مدد طلب کرکے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں بشیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک نہ تھی۔ جیرفت و سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بے شمار اونٹ، بکریاں غنیمت میں آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان، کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستان[2] ۲۳ھ ۶۴۴ع

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑکر بھاگ نکلے۔ عاصم برابر بڑھتے چلے گئے۔ یہانتک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ انکی تمام اراضی حمی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھونک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضہ میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے، ان کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

مکران[3] ۲۳ھ ۶۴۴ع

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ھ میں روانہ ہو کر مکران کی طرف فوجیں اتار

---

[1] اس کا قدیم نام کرمانیہ ہے۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان، جنوب میں بحر عمان، مشرق میں بلوچستان اور مغرب میں فارس ہے۔ زمانہ سابق میں اس کا دارالصدر اردشیر دیروسیس تھا جس کی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۱۲۔

[2] سیستان کو عرب اس سجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں ہیرمند اور مغرب میں کوہستان ہے۔ مشہور شہر زرنج ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے ۱۲۔

[3] آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مؤرخ بلاذری (فتوحات فاروقی) سندھ کے شہر دیبل تک داخل مانتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی حدود یہیں تک قائم کی ہیں ۱۲۔

وہیں مکران کا بادشاہ جسکا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا۔ اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامۂ فتح کیساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامۂ فتح لیکر گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا:-

ارض سھلھا جبل وماءھا وشل وتمرھا دقل وعدوھا بطل وخیرھا قلیل وشرھا طویل والکثیر بھا قلیل

حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے انہوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آ چکا تھا۔

خراسان[1] کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۳ھ ۶۴۴ء

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے انہیں احنف بن قیس بھی تھے اور انکو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے ۲۳ھ میں خراسان کا رخ کیا طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اسکو فتح کر کے مرو شاہجہان پر بڑھے یزدگرد شہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا انکی آمد سنکر وہ مرو رود چلا گیا۔ اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے۔ احنف نے مرو شاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو رود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا اس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جسکے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضر، ربعی بن عامر التمیمی، عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی، ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیجدیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کر لیا۔ مرو رود کو تخت گاہ قرار دیکر مقام کیا اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔ خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا ہوتا۔ تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اسمیں لکھا یہاں تک پہنچ چکے ہو ہاں

[1] علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، فرغانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان رقبہ خراسان میں داخل تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اسکے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا، ابیورد، حدود وغیرہ تھے جن میں سے دو پچھلے اب بالکل ویران ہیں۔ ۱۲

سے آگے نہ بڑھنا ہو۔ یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر لیکر
یزدگرد کیساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف جو بیس ہزار فوج کیساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سُنکر مرو رود
کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرو رود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مرو شاہجہان
کیطرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب سمجھا۔ نہر اُتر کر ایک میدان میں جسکی پشت پر پہاڑ
تھا صف آرائی کی دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔ عجمی صبح و شام ساز و سامان سے
آراستہ ہوکر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کوئی جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے
واپس جاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کیساتھ جاتے
ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایکدن احنف خود میدانِ جنگ میں گئے ادھر سے معمول کے موافق
ایک ترک طبل کیساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک رد و بدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری ترک زمین
پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا ان علی کل رئیس حقا ان یخضب الصعدۃ او تندقا۔ قاعدے
کے مطابق دو اور ترکی بہادر میدان میں آئے اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب
خود میدان میں آیا اور اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں چونکہ شگون بُرا تھا نہایت پیچ و
تاب کھایا اور فوج سے کہا ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔
یزدگرد مرو شاہجہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ
ساتھ لیا۔ اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے
روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے
سر و سامان خاقان کے پاس پہنچا۔ اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دار السلطنت
تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیوں
کو جمع کر کے فتحنامہ سُنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو
گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم
نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدے گا۔

مصر کی فتح سنہ ۲۰ھ ۶۴۱ء

مصر کی فتح گو حضرت فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اُسکے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے

پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر انکی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اُس زمانے میں مصر کی نسبت اس قسم کا خیال بھی اُنکے دل میں گذرا ہوگا لیکن انکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر انکی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا۔ اس میں یہ اُنسے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر اُنکے اصرار پر راضی ہوگئے۔ لیکن چار ہزار فوج ساتھ کر دی اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ سے کہا خدا کا نام لیکر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آ پہنچے۔ غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے۔ اور گو اب ویران پڑا ہے۔ لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی اُسنے شہر سے نکلکر مقابلہ کیا اور ایک مہینہ تک معرکۂ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی عمروؓ فرما سے چل کر بلبیس اور ام دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کو پہنچے فسطاط اس زمانے میں کفِ دست میدان تھا اور اس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے۔ اور جہاں اسوقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کیلئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمروؓ نے اول اسی کو تاکا اور محاصرے کی تیاریاں شروع کیں

مقوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باجگذار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمروؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا ان افسروں میں ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام۔ عبادہ بن الصامت۔ مقداد بن عمرو۔ مسلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا۔ اس کے لحاظ سے عمروؓ نے انکو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات انکے ہاتھ میں دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اور جہاں جہاں مناسب تھا تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیے۔ اسکے ساتھ منجنیقوں سے

۱؎ مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمروؓ سے ملا انہوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر دے دونگا۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچے ہو تو رک جانا لیکن ہم تو مصر کی حد میں آ چکے۔ لیکن عمرو بن عاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے۔ بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عریش ہی میں ملا اور اگر رفح میں ملا تب بھی کچھ ہرج نہیں کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے۔ ۱۲

پتھر برسانے شروع کئے اس پر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل گئی عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھولدیا اور تمام فوج اندر گھس گئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسیوقت سبکو امان دیدی۔

ایکدن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے دوسرے دن عمروؓ نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمروؓ نے پہلے سے حکم دیدیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز و عادات کیموافق کھانے پر بیٹھے کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے۔ کہ شوربے کی چھینٹیں اڑکر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ کھانے کے بعد رومیوں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں۔ جو ہماری دعوت میں شریک تھے یعنی وہ ایسے گنوار و بے سلیقہ نہ تھے عمروؓ نے کہا وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کیلئے معاہدہ صلح لکھوا لیا تھا۔ لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی۔ تو اس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو۔

اسکندریہ کی فتح سنہ ۲۱ ھ
۶۴۲-۴۱ ع

فسطاط کی فتح کے بعد عمروؓ نے چند روز تک یہاں قیام کیا۔ اور یہیں سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہوا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمروؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمروؓ کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا۔ تو عمروؓ کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ اور عمروؓ نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اسلئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے بہرحال سنہ ۲۱ ھ میں عمروؓ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں

کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے سدِ راہ ہونا چاہا، چنانچہ ایک جماعتِ عظیم سے جسمیں ہزار ہا قبطی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا، مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور ہزاروں عیسائی مارے گئے، پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی اور اسکندریہ پہنچکر دم لیا، مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا تاہم یہ شکایت کی کہ ایک مدت معیّن تک صلح ہو جائے، عمروؓ نے انکار کیا، مقوقس نے مسلمانوں کے مرعوب کرنے کیلئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں، عورتیں بھی اس میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں انہوں نے شہر کی طرف رُخ کر لیا تھا، عمروؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھے لیکن تمکو معلوم نہیں کہ ہمنے اب تک جو ملک فتح کئے کثرتِ فوج کے بل پر نہیں کئے تمہارا بادشاہ ہرقل جس سرو سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تمکو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں، مقوقس نے کہا سچ ہے یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا، اس پر رومی نہایت غضبناک ہوئے، مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی اس نے عمروؓ سے اقرار کر لیا کہ چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں اس سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے، قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی، فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے پُلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے، خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد کا انتظام انہی کی بدولت ہوسکا، رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایکدن نہایت سخت معرکہ ہوا، تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلہ کو آئے، مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا، رومی نے انکو زمین پر دے پٹکا اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمروؓ کو اسپر اسقدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے کہا کہ زنخوں کو میدانِ جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے، مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا نور اسی طرح قائم تھا، آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دبلتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا، آخر رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کو قلعہ کے دروازے سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور مسلمہ اور دو شخص اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان بزرگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا

گیا تو ہم تمکو چھوڑ دینگے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دینا عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلہ کیلئے نکلنا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا دیر تک وار ہوتے رہے بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھولدیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا[1]۔

محاصرہ جسقدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمروؓ کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہکر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اسقدر دیر نہ ہوتی جسدن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو۔ اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایکدفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمروؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پُر اثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو رسول اللہ صلعم کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھکو دیجئے خود سر سے عمامہ اُتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے۔ اور آج آپ سپہ سالار ہیں زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا۔ غرض اس سروسامان سے قلعہ پر حملہ ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمروؓ نے اسیوقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جا سکتے ہو جاؤ۔ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں تو نہ گئے سیدھے مسجد نبوی کا رُخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی اُدھر آ نکلی اور اُن کو مسافر کی ہیئت میں دیکھکر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اُسیوقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی۔ کہ چلو تم کو امیر المومنین بُلاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کیلئے تیار ہوئے۔ اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سنکر زمین پر گرے اور سجدۂ شکر ادا کیا اُٹھکر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی۔ کہ الصلوٰۃ جامعۃ سنتے ہی تمام مدینہ اُمنڈ آیا معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے۔ وہاں سے اُٹھکر حضرت عمرؓ کے ساتھ اُنکے گھر پر گئے حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے وہ روٹی اور روغن

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ جلد اول ۱۲۰

زیتون لائی مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے۔ شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے۔ میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون اٹھائے گا۔

عمرو سکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کئے اور دارے بیل ڈالکر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل اسکی دوسرے حصہ میں آئیگی۔[1]

سکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرہ کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافۃ العدوی فیوم، اشمونین، اخمیم، البشرودات، صعید اور اس کے تمام مضافات میں پھیل گئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب جمحی نے تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنا، بوصیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے۔[2]

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ انکی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ سب کو بلا کر کہدو کہ انکو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کرینگے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے ایک جا جمع کئے عیسائی سرداروں کو جمع کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہکر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے۔ اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے نچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بعضوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب ہوئے۔[3]

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ سنہ ۲۳ھ

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینے چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لولوء تھی۔ اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے

---

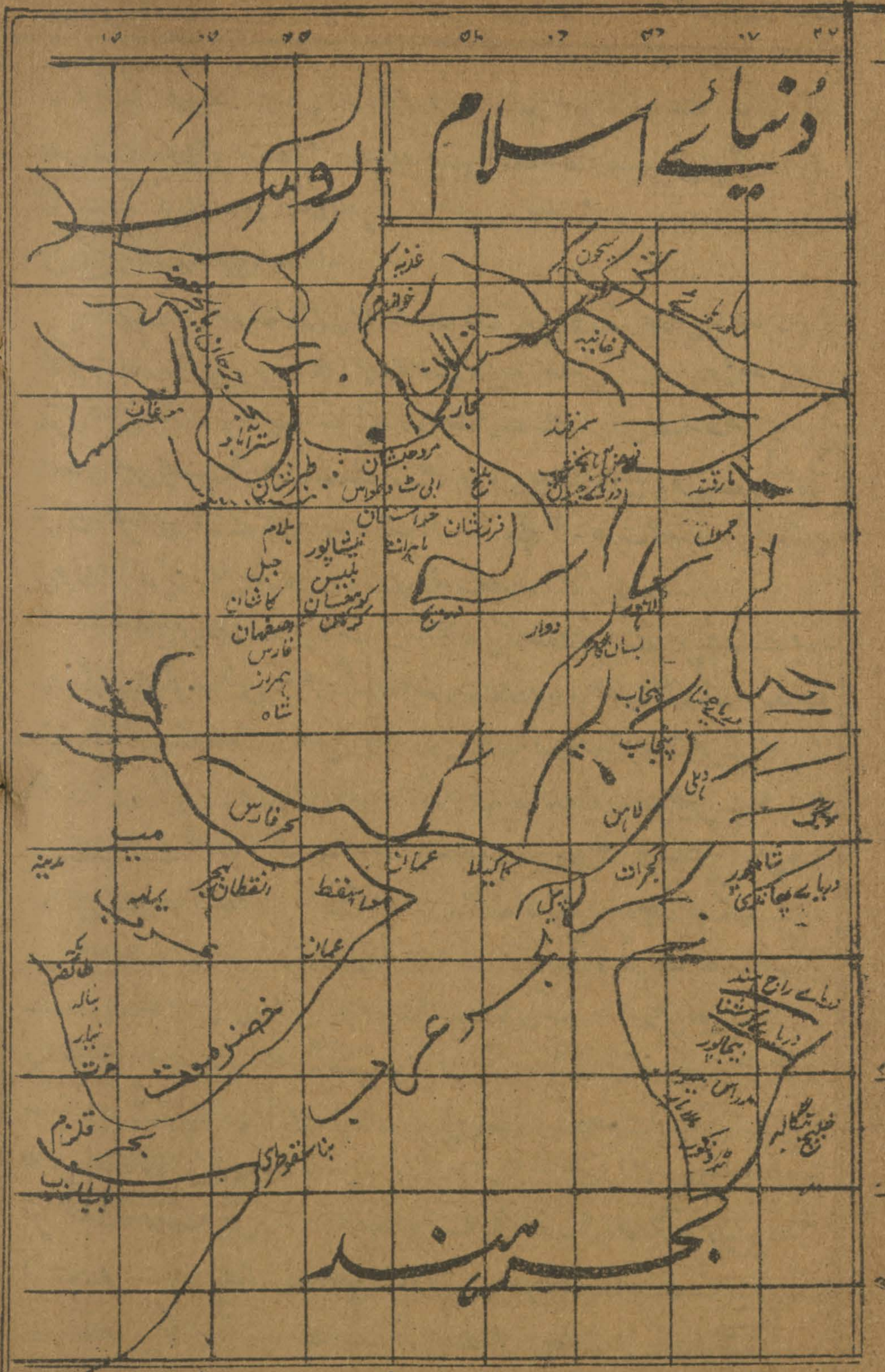
[1] یہ تمام تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۳ [3] طبری ۲۵۸۲ و ۲۵۸۳

اگر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری ہی محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اس نے کہا کہ روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کونسا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ نجاری، نقاشی، آہنگری، فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلے میں یہ رقم بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں درست ہو سکتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتہ گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا۔ اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے کہا۔ فیروز۔ فرمایا کہ الحمد للہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعوی رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے غالباً شفا ہو جائیگی چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اسے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ اپنا ولیعہد منتخب کر جائیے۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہؓ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ۔ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ عبداللہ حضرت عائشہ کے پاس آئے۔ وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دونگی۔ عبداللہ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا کہ یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔ امت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر برسوں غور کیا تھا وہ اکثر اسکو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔


دنیائے اسلام
خوارزم
بخارا
سمرقند
سترآباد
نیشاپور
کاشان
اصفہان
فارس
بحر فارس
عمان
گجرات
پنجاب
دہلی
مدینہ
حضرموت
عرب
بحر قلزم
بیجاپور
مدراس
خلیج بنگالہ
بحر ہند



فرہنگ الوان
(۱) فتوحات عہد نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم)
(۲) فتوحات صدیقی (رضی اللہ عنہ)
(۳) فتوحات فاروقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
(۴) رقبہ حکومت فاروقی (رضی اللہ عنہ)
(۵) فتوحات عثمانی (رضی اللہ عنہ)
(۶) رقبہ حکومت بنی اسلامیہ
(۷) عام رقبہ حکومت اسلامیہ
(۸) جہاں سے آگے جہاں تک اسلامی اثر پہنچا
انگلستان
لندن
فرانس
ہسپانیہ
بحر شام یا بحر الروم
طرابلس
مصر
افریقیہ
مغرب الاقصیٰ
والیشیا
قسطنطنیہ
حلب
دمشق

مدت کی غور و فکر پر بھی انکے انتخاب کی نظر کسی شخص پر نہ جمتی تھی۔ بار بار ان کے منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس! اس بارِ گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا" تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ لیکن حضرت عمرؓ انہیں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے[۱] اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں انکے ریمارک بہ تفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ عین کربِ تکلیف کی حالت میں جہاں تک انکی عقل کو جو اس نے یاوری دی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو

۱ حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں کی ہیں ہمنے انکو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں البتہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے۔ یعنی یہ کہ انکے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے۔ مگر اس قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق قریش کیا تھے کچھ ایسے [illegible] تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اسلئے درج کرتے ہیں۔ کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا۔ جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ۔ کیوں عبداللہ بن عباسؓ، علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباسؓ۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ۔ تمہارے باپ رسول اللہ (صلعم) کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباسؓ۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ کیوں؟

حضرت عمرؓ۔ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

مخاطب کر کے کہا جو شخص خلیفہ منتخب ہو اسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین، انصار، اعراب، وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی یہودی پارسی جو اسلام کی رعایا ہیں) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی۔ چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے۔ میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسولؐ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے۔ یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالبہ پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا "مجھ پر کس قدر قرض ہے؟" معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا "میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا۔ اگر وہ بھی پورا نہ ادا کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۴) مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ تمکو خلافت دینا بھی چاہتے تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔ دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گذریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:-

حضرت عمرؓ۔ کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا۔ لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی۔ کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے۔ ابلیس نے آدم پر حسد کیا۔ اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمرؓ۔ افسوس! بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ ایسی بات نہ کہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ۔ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۱)

ان مکالمات کے علاوہ اصل واقعہ سے تم اس بات اندازہ کر سکو گے۔ کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا۔ کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

اوروں کو تکلیف نہ دینا"۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب قصۃ البیعۃ[1] والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے کہتے تھے "کہ عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا"۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا۔ ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور ہوا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے[2] حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا۔ اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، سعد وقاصؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا۔

[1] دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۳ [2] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۲۹۔

حصہ اول ختم ہوا

حصۂ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پروا نہ کی ہوگی۔ کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اسکے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر اور چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن نہایت اجمال کیساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُسکے حدود اربعہ کیا تھے؟

حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربعہ یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی۔ اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق عجم، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جسکو اہل عرب روم کہتے ہیں سنہ ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا۔ لیکن فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں۔ اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس اور روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ہر روز ردوبدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی برس کے عرصہ میں عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیروان

سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد اور زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعہ سے اس مذہب کو دبا دیا، لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسطوریہ فرقہ جسکو کسی اور حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی۔ وہ بھی اسلام کے سایہ میں آکر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی۔ روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا۔ اسلئے اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی ؀

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اسوقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اسکا صرف اسقدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں، نہ یہ کہ عرب جیسی بے سر و سامان قوم سے ٹکرا کر پُرزے پُرزے ہو جاتیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنونِ جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو آجتک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک انکا رواج رہا۔ اسکے ساتھ رسد کی فراوانی سر و سامان کی بہتات۔ آلات جنگ کے تنوع فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملہ سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا۔ اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔ ایران میں خسرو پرویز تک تو مسلم ہے۔ کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملہ تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی؟ البتہ تخت نشینوں کے ادل بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا۔ چونکہ سلطنت کے اجزا یعنی خزانہ، فوج اور محاصل میں کمی نہیں آئی تھی اسلئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا۔ اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا۔ لیکن ہمکو تمام تاریخ میں انسے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح فرقہ نسطوریہ کی کوئی اعانت ہمکو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔ اب عرب کیحالت دیکھو تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں انکی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی

نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب میں تعبیہ کے طرز میں صف آرائی کی۔ خود، زرہ، چلتہ، جوشن، بکتر، چار آئینہ، آہنی دستانے جیلم موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔ اسمیں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کی بجائے لکڑی کی تھی۔ آلات جنگ میں سے گرز و کمند سے عرب بالکل ناآشنا تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکے میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل انکو دیکھا تو سمجھے کہ تکلے ہیں ۔؂۱

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اسقدر ہے کہ مسلمانوں میں اسوقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اسکی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کیساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات ہی نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اسمیں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راستبازی اور دیانتداری تھی جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اسقدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا ۔؂۲

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اسلئے رومیوں نے مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا انکے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا۔ تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی وہاں سلطنت کے نیچے بہت بڑے بڑے رئیس تھے۔ جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے وہ سلطنت کیلئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کیلئے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پایہ تخت (مدائن) کے فتح کر لینے پر بھی فارس کے ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہو جاتی تھی اور اسلئے فتح کے بعد بقائے حکومت میں انسے مدد ملتی تھی۔ ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ ان دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائگاں نہیں جا سکتا تھا عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر

؂۱ ابن قتیبہ نے اخبار الطوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں ؂۲ آگے چل کر ہم نے ایک موقعہ پر ہر ایک نام بھی تفصیل سے لکھتے ہیں ۔

انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز خاں وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے، بے شبہ ان لوگوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز خاں کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ حالت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے۔ اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے۔ ان میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا۔ اس طرح اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے۔ یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہیں چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اس قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور، نادر، جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں کبھی سر مو انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ رومیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب نہیں کیا جا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام جاتے تھے فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولیداً[1]۔ یعنی دشمن تم سے لڑا کریں۔ ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

سکندر و چنگیز کی فتوحات کا مقابلہ

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے۔ تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گزر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گزرے ہیں ان کو دکھانا چاہئے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگزر کے ساتھ دنیا میں

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۲

کسی حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔ اسکے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اسکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک سپہ سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ انکی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادل کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی نظم و حکومت قائم نہیں کیا۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح کئے تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضہ میں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تخصیص نہ تھی اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور ارادہ بے شبہ برقی قوت ہیں۔ لیکن یہ قوت اسی وقت کام دے سکتی ہے۔ جب کام لینے والا بھی اسی زور و قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشارے پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم تفصیلی طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعین، فوج کی نقل و حرکت۔ پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود کئے اور ان کو کس عجیب زور و قوت کیساتھ قائم رکھا۔ تو تم خود فیصلہ کروگے۔ کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص

عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک متعین کر دیا تھا۔ اور اسی کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اسکے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے۔ ان کے خاص حکم کے

موافق ماموں ہوئے تھے۔ تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کی تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسکے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگادی تھی اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک امڈتے ہوئے طوفان کو دبا دیا دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرخچے اڑا دیئے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے۔ آجتک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گذرا۔

نظامِ حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پڑی۔ لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے حضرت ابوبکرؓ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام قائم نہیں ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا حضرت عمر نے ایک طرف فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا۔ اور اسکو اس قدر ترقی دی کہ انکی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں۔ سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ اس حکومت کی ترکیب ساخت کیا تھی۔ یعنی شخصی تھی یا جمہوری۔ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا۔ اسکے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے

یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا۔ اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے۔ کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائیں۔ اور وہ جماعتِ کارکن کا صرف ایک ممبر رہ جائے برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوجاتے ہیں (۱) بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں۔ صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے (۲) چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے (۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے انکو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے انکو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوسکتی۔ جتنی خود اربابِ حقوق کو ہوسکتی ہے (۴) چونکہ بجز چند ارکانِ سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہوجاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوسکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے۔ اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے یمن و سیع حکومتیں موجود تھیں۔ یمنی۔ حمیری۔ غسانی۔ لیکن سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر منتخب کئے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی۔ بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکرؓ فلتۃ وتمت الا و انھا قد کانت کذالک لکن اللہ وقی شرھا[1]۔

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانہ میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تو بالکل ایک جابرانہ

[1] دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ بار دوم ۱۰۰۹۔

خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضا سے اسکے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی رُوح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورت اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ جماعت اسلام میں اسوقت دو گروہ تھے۔ جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائمقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونو گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندان کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ۔ عبد الرحمٰنؓ بن عوفؓ۔ معاذؓ بن جبلؓ۔ ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اس میں شامل تھے۔ مجلس شوریٰ کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کیلئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد ممبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین و انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا۔ اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہؓ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں۔ تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم کے مسلم تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج سے شریک ہوئے۔ کئی دن تک اس مجلس[2] کے جلسے رہے اور نہایت آزادی اور بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر[3] کی اس کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم ادعکم الا لان تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای۔ ۲۱ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سر و سامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت

---

[1] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ حیدرآباد۔ [2] تاریخ طبری ۱۲۔

[3] تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں ہے ۱۲

بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمانؓ، طلحہ بن عبد اللہ، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ خود آپ کا موقعۂ جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا۔ کہ حضرت عمرؓ خود موقعۂ جنگ پر نہ جائیں۔ اسی طرح فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں۔ وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔ مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں۔ ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ لاخلافة الا عن مشورة ::

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی۔ جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمرؓ ان کو مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے:۔ كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمرؓ يجلس معهم فيه ويحدثهم عما ينتهي اليه من امر الآفاق فقال يوماً ما ادري كيف اصنع بالمجوس ::

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے۔ تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں۔ جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد، بصرہ سے حجاج بن علاط، شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے

منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمرؓ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ ہیں:۔ کتب عمر ابن الخطاب الی اهل الکوفة یبعثون الیه رجلا من اخیرهم و اصلحهم والی اهل البصرة کذالک والی اهل الشام کذالک قال فبعث الیه اهل الکوفة عثمان بن فرقد والبعث الیه اهل الشام معن زید و بعث الیه اهل البصرة الحجاج بن غلاط کلهم سلیمون قال فاستعمل کل واحد منهم علی خراج ارضه۔[1]

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پایہ تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔ حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے۔ کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ موقع حاصل تھا۔ اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں۔ جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کیلئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

حکومت جمہوری کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو ملک کی آمدنی میں ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ اس کے اختیارات محدود ہوں۔ ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے۔ اور جو کچھ ہوا تھا وہ خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقعہ پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی اس کے بعض بعض فقرے اس موقعہ پر لکھنے کے قابل ہیں:۔

انما انا و مالکم کولی الیتیم ان استغنیت	مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اسقدر حق ہے۔
استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف	جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولتمند ہونگا

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔

لکم علیّ ایہا الناس خصال فخذونی بہا لکم علیّ ان لا اجتبی شیئاً من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجہہ ولکم علیّ اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقہ ولکم علیّ ان ازید فی عطایاکم واسد ثغورکم ولکم علیّ ان لا القیکم فی المہالک

تو کچھ نہ لونگا۔ اور ضرورت پڑیگی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لونگا۔ صاحبو میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جنکا تمکو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور مال غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔ ایک یہ کہ تم کو خطرہ میں نہ ڈالوں

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا۔ اتق اللہ یا عمر۔ اے عمرؓ خدا سے ڈر حاضرین میں سے ایک شخص نے اسکو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم!۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے۔ کہ انتظام کے مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائی تمدن میں انتظام ملے جلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے۔ وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو سو برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزکٹو اختیارات ابتک ملے جلے یعنی کلکٹر ضلع مالگذاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے اور غیر آئینی اضلاع میں

سلہ کتاب الخراج صفحہ ۱۷

تو بہت زیادہ محتاطِ بحث ہے۔ حضرت عمرؓ کے عجیب غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گذرے تھے۔ تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے۔ ان کو الگ الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں:۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عملداران ملکی انتظامِ حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے اس کی ابتدا کی اور اس زمانہ کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اس کے حدود قائم کئے۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے آٹھ کی بجائے سات صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے سنہ ۲۰ھ میں کیا تھا

مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال یہ ہے جس کی تفصیل بتا دینا ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے فلسطین اس لحاظ سے یہ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی تقسیم جو پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے۔ اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اسی طرح رہنے دیئے۔ اس لئے مورخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کئے ان کا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے۔ ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں دس ضلعے شامل تھے۔ سنہ ۱۵ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس کے دو حصے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا[1]۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۷ میں اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا و نصف مع اہل الرملہ۔ وہم عشر کور و فلسطین تعدل الشام کلہا۔ وفرق فلسطین علی رجلین فعرف کل واحد منہما عملہ۔

نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر عبداللہ بن سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ جس میں ۱۵ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیروانی انتظام بحال رہنے دیئے تھے۔ اسلئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیرواں کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیرواں کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور، ہرات، مرو، مرورود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذغیس، غرشستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربائیجان اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے:۔ رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسبذان، مہرجان قذق، شہرزور، صامغان، آذربائیجان، طبرستان۔

فارس اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے:۔ اصطخر، شیراز، نوبندجان، جور، کازرون، فسا، دارابجرد، اردشیر خرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہرتیری، مناذر، تستر، ایذج، رامہرمز۔

صوبوں میں بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی دفتر کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب احداث یعنی پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبدالرحمٰن بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن الخزاعی کاتب دیوان تھے۔[1] ہر صوبہ میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبہ کا عامل ہی اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل ہی اس خدمت پر مامور ہوتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا۔ اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمارؓ کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس آدمی اُن کے اسٹاف میں دیئے۔ جن میں ایک قرظہ خزرجی بھی تھے۔[2]

میر منشی قابل اور تحریر و تقریر میں یکتا ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے۔ ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو

[1] طبری ۲۶۴۷ و ابن خلکان صفحہ ۲۵۲ [2] اسد الغابہ تذکرۂ قرظہ۔

بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا۔ تو تمام عرب اس کے عَلَم کے نیچے آجاتا۔ اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے۔ اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کیساتھ کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدیداروں کا انتخاب اور ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو۔ لیکن جبتک حکومت کے اعضاء وجوارح یعنی عہدیداران ملکی قابل، لائق، راستباز اور متدین نہ ہوں۔ اور اُن سے نہایت ہی بیدار مغزی کیساتھ کام نہ لیا جائے۔ ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس بات میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا انصاف یہ ہے۔ کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس مرحلہ میں اس بات سے بڑی مدد ملی۔ کہ ان کی طبیعت شروع سے ہی جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔ جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی۔ وہ اس کی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ اُنھوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی۔ کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کیلئے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے۔ جن کو دھاۃ العرب کہا جاتا تھا۔ جو فن سیاست اور تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو ابن العاص، مغیرہ بن شعبہؓ، زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔ اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے۔ اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کوئی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائے۔ زیاد ان کے زمانہ میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔ لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا۔ کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں حضرت عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ انکو کسی صیغہ کی افسری نہ دینا۔ کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبد اللہ بن ارقم مشہور صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبد اللہ بن ارقم نے عرض کی کہ میں۔ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لاے۔ آنحضرت نے سُنا تو بہت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے۔ یہ اثر

۱؎ اسد الغابۃ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ ۱۲ ؎ استیعاب قاضی ابن عبد البر و طبری صفحہ ۲۶۱۷ ۔
۲؎ طبری ۲۶۴۷ و ازالۃ الخفاء ؎ اسد الغابہ تذکرہ ابن ارقم ۱۲

ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔ نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا۔ اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے بالاتفاق کہا کہ آپ کو خود واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا۔ اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔ عمار بن یاسر بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے۔ لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام نہ چل سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان میں سے ہر ایک کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا۔

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور صحابہؓ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے۔ تو کون کرے گا؟"[1] ابو ہریرہ نے کہا کہ ہم آپکو مدد دینگے۔ لیکن اسوقت ملکی انتظامات میں حصہ لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا اے عمرؓ تم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔" حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں۔ تو کس سے لوں"۔ ابو عبیدہ نے کہا "اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو۔ کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔"[2] غرض جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قابل لوگ انتخاب کئے۔ اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔ زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقہ پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے۔ کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہو اُس کو انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقد، معن بن یزید، حجاج ابن علاط۔ اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک وقت یہ تھا کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ اصل عبارت یہ ہے: ان عمر ابن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذا لم تعینونی فمن یعیننی الخ ۱۲ منہ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۴۔

تقدس کے خلاف سمجھتے تھے۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا لیکن نذر و نیاز کے نام جو رقمیں ملتی ہیں اس سے انکو احتراز نہیں ہوتا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقعہ پر حضرت ابوعبیدہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے انکو راضی کیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۱؎۔

فرمانِ تقرری

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا۔ اسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جسکی وجہ سے لوگ اسکے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا۔ تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا۔ کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے۔ چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اسکے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا۔ عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے :-

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم فادروا علی المسلمین حقوقھم ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم ولا تستاثروا علیھم فتظلموھم	یاد رکھو میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو زد و کوب نہ کرو۔ کہ وہ ذلیل ہوں۔ انکی بیجا تعریف نہ کرو۔ کہ غلطی میں پڑیں ان کیلئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپکو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۲؎

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تو حضرت عمرؓ صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اسکو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے۔ جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔ ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں۔ اور انکو عام مجمع میں پڑھ کر

۱؎ طبری صفحہ ۲۷۰۹ ۲؎ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۱۳ ۳؎ طبری صفحہ ۲۷۴۷ و اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان) سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے۔ وکان عمر اذا استعمل رجلا اشھد علیہ رھطا من الانصار ... کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

سنایا جاتا تھا۔

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی۔ اور عامل کی معمولی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی۔ تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا[1]۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی حضرت عمرؓ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں، ان میں ان عاملوں کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہیں ؎

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

ابلغ امیر المومنین رسالۃ　　فانت امین اللہ فی المال والامر
خذالمال عن اهل الرساتیق والقری　　لیسیغون مال اللہ فی الادم والوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه　　وارسل الی جزءٍ وارسل الی البشر
ولا تنسین النافعین کلیهما　　ولا ابن غلاب بن سراۃ بنی نصر
وما عاصم منها بصفر عیابه　　وذاک الذی فی السوق مولی بنی بدر
ونبل فاسئله المال وابن محرش　　فقد کان فی اهل الرساتیق ذاذکر
نؤب اذا آبوا و نغزو اذا غزوا　　فانی لهم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارۃ　　من المسک راحت فی مفارقهم تجری

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانہ میں حاضر ہوں۔ حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر اعلان کرتے تھے۔ کہ جس کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ اور تحقیق ہو کر اس کا تدارک کیا جاتا تھا[2]۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا۔ کہ صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو۔ تاکہ میں اس کا انتقام لوں عمرو

حج میں تمام عاملوں کی طلبی

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے۔ کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عماله اذا ولاهم ثم یقاسمهم ما زاد علی ذلک [2] تاریخ طبری ۲۷۰۰ میں ہے وکان سنته فیهم انه یامرهم بان یوافوه بمرافاۃ الحج فی کل سنة للسیاسة ویحجزهم بذالک عن الرعیة ولیکون لشکاۃ الرعیة وقتا وغایة ینهونها فیه الیه۔

ابن العاصؓ نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو ماریگا۔ تب بھی آپ اس کو سزا دینگے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ "اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دونگا۔ کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو۔ ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو۔ ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہوں گے[۱]۔

ایک دفعہ حسبِ معمول تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا۔ کہ ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفیاں لیکر اپنے حق سے باز آئے"[۲]۔

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اس کی تحقیق کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا۔ جس پر محمد بن سلمۃ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ کابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب رہتے تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلعم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو انکو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا۔ جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہی تحقیقات پر مامور ہوتے تھے اور موقع پر جاکر جوامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ ۲۱ھ میں سعد وقاصؓ جنہوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے۔ ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی یہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہاوند کے قریب آپہنچے تھے مسلمانوں کو سخت تردد تھا۔ اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین ایسی حالت میں یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اگرچہ نہایت تنگ اور پُر خطر وقت ہے۔ تاہم یہ تردد مجھ کو سعد وقاصؓ کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو روانہ کیا انھوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جاکر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن وقاص کو

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۲۷۔ [۲] اسد الغابہ تذکرۂ محمد بن مسلمہ میں ہے۔ وھو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمدا لیکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم بلاذری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

ساتھ لیکر مدینے میں آئے۔ یہاں حضرت عمرؓ نے خود اُن کا بیان لیا[1]۔

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کیلئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو مدینہ میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے اور یہ اکثر اسوقت ہوتا تھا جبکہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے انکی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا۔ اور ابو موسیٰ کو اپنے حضور میں بلا کر تحقیقات کی۔ الزامات یہ تھے کہ (۱) ابو موسیٰ نے اسیران جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں۔ (۲) انکی ایک لونڈی ہے جسکو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ (۳) کاروبار حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب سیاست و تدبیر کا آدمی ہے۔ اس لئے اسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا۔ اسلئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا۔ تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ لونڈی ان سے چھین لی گئی[2]۔ عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ چنانچہ ان باتوں پر جن سے تمتع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور آدمی اسکے دربار میں نہیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا[3]۔

ایکدفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے کہ ایکطرف سے آواز آئی کہ عمرؓ! کیا عاملوں کیلئے چند قواعد کے مقرر کر دینے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اسکے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ بلا لاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچکر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لیکر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتا اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لیجا کر چراؤ۔ عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے اس سے مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھ کو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جبتک زندہ رہے اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے[4]۔

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جسمیں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے

---

[1] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری ۲۷۰۶ تا ۲۷۰۸ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے۔ دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ۔ [2] طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۱ [3] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [4] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

کہ اس سے اہل حاجت کو روک ٹوک ہوگا۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاکر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعدؓ وقاص چپکے دیکھا کئے۔[1] اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت اور ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے۔ وہ بغیر اسکے ممکن نہ تھی۔ کیونکہ خود اور انکے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں نہ نظر آتے۔ عام رعایا کو خیال ہوتا ہے جو چاہیں کریں۔ انکے طرز عمل کا اثر بھی انہیں تک محدود رہیگا لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں انکے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام غلام ہیں۔ اسکے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آجکل کی اصطلاح میں سوشیلزم کہتے ہیں عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ شام میں بڑے سر و سامان سے رہتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے انکے خدم و حشم دیکھکر استعجاب کہا الکسرویۃ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیا ہے؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور انکی نظر میں بغیر اسکے سلطنت کا رعب داب قائم نہیں رہ سکتا۔ تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی قائم رکھنے کیلئے نہایت عمدہ اصول اختیار کیا تھا۔ کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور سستی تھی تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہواری یعنی پانچ ہزار روپیہ تھی۔ اب ہم عمالان فاروقی کی اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے۔

---

[1] استیعاب قاضی ابن عبدالبر و ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۷۲۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیان	؍	؍	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی لائق نہ تھا۔
امیر معاویہ	؍	؍	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	؍	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	؍	آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوان	بصرہ	؍	مہاجرین میں سے ہیں بصرہ انہی نے آباد کیا
ابو موسیٰ اشعری	؍	؍	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	؍	آنحضرت نے انکو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا
نافع بن عبد الحارث	؍	؍	فضلائے صحابہ میں سے ہیں
خالد بن العاص	طائف	؍	آنحضرت کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما۔
یعلی ابن امیہ	یمن	؍	صحابہ میں سے تھے اور دنیا میں بھی شہرت عام رکھتے تھے
علاء بن الحضرمی	؍	؍	بڑے صاحب اثر تھے آنحضرتؐ نے انکو بحرین کا عامل مقرر کیا تھا
نعمان	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان ابن حنیف	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا۔
عمیر بن سعد	حمص	؍	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مدائن	؍	مشہور صحابی اور آنحضرت کے رازدار تھے۔
نافع بن عبد الحارث	؍	؍	بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حارث دہمانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرہ بن جندب	سوق الاہواز	؍	اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدی	میسان	؍	صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہ	موصل	کمشنر مالگذاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغۂ محاصل (خراج)

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ میں ایک نیا اضافہ تھا اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنھوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا اسلام کے آغاز میں اسقدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم زراعت کا کام اچھا جانتے ہیں اسلئے زمین ہمارے ہی قبضہ میں چھوڑ دیجائے جناب رسول صلعم نے انکی درخواست منظور کرلی۔ اور بٹائی پر معاملہ ہوگیا۔ اسکے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہوگئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کردیگئی حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہوگیا اور ادھر یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کردیا تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کیطرف توجہ کی اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امراے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر انکی جاگیریں عنایت کیے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دیدیا جائے حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کیساتھ سعد بن وقاص کو وہاں کی مردم شماری کیلئے حکم دیا تھا سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصہ میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسیوقت سے حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہوچکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضہ میں رہنے دیجائے اور انکو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن عوف وغیرہ اہل فوج کے ہمزبان تھے حضرت بلالؓ نے اسقدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہوکر فرمایا اللھم اکفنی بلالا۔ یعنی اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری بیرونی حملوں کی حفاظت ملک کے امن وامان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئینگے؟ عبدالرحمن بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضہ کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پا سکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا۔ یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لئے عام اجلاس ہوا جسمیں تمام قدما مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلۂ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک تھے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہو سکا۔ کئی دن تک

یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمرؓ کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی۔ جو اس بحث کیلئے نص قاطع تھی۔ یعنی للفقراء المہاجرین الذین اُخرجوا من دیارھم و اموالھم اس آیت کے اخیر فقرے والذین جاؤ من بعدھم سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنیوالی نسلوں کیلئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ بے شبہ آپکی رائے بہت صحیح ہے۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی ملک قرار پائینگے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائیگا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی عراق چونکہ عربوں سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہونیکی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا۔ کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسیقدر اصلاح کیساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے عراق میں اسوقت مالگذاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا۔ اور نوشیروان نے اس کی تکمیل کی تھی نوشیروان تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے لیکن خسرو پرویز نے اسپر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانہ میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کیلئے چونکہ دیانت کیساتھ فن مساحت سے واقف ہونا ضروری تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اسوقت رائج نہ تھے اس لئے فی الجملہ دقت پیش آئی۔ آخر دو شخص انتخاب کئے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے۔ کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کیساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر دیا کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کیساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔ کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۳۲۰ میل تھی .... میل کسیر ٹھہرا اور پہاڑ اور صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر، آتشکدوں کے اوقاف لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائداد، وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کیلئے مخصوص تھیں، دریا، بند اور جنگل ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیکر ان کی آمدنی جس کی

تعداد ستر لاکھ تھی۔ رفاہ عام کے کاموں کیلئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کی اسلامی کوششوں کے صلہ میں جاگیر عطا کی جاتی تھی۔ تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیر کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قبضہ داروں کو دیدی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۴ درہم سال	انگور	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
جو	"	۲ درہم	ترکاری	"	۳
نیشکر	"	۶	نخلستان	"	۱۰
روئی	"	۵	تل	"	۸

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گیہوں پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے۔ افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو فی جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے اہتمام مختلف لیاقت کے تھے۔ اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا تاہم جہاں جسقدر جمع مقرر کی گئی۔ اس سے زیادہ مالکان کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا۔ کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا۔ کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی عثمان نے کہا نہیں بلکہ ابھی اسی قدر اور گنجائش ہے جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی۔ اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے۔ سب بحال رہے جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجودیکہ لگان کی شرح نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زیادہ تھی۔ تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعتہً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ مع ہذا ما بعد میں اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگذاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا۔ لیکن جسقدر مالگذاری انکے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگذاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود ظلم و جبر کے صرف ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ درہم وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے

عراق کا خراج

زمینداروں اور تعلقہ داروں

پیداوار میں ترقی

[illegible]

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ ۲؎ تاریخ یعقوبی صفحہ [illegible]۔ ۳؎ کتاب الخراج صفحہ [illegible]۔ [illegible] ... کل سنة مائة [illegible] ... من اہل الکوفة وعشرة من اہل البصرة [illegible] ... من طیبة [illegible]

[illegible]

سے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۸ کروڑ ۴ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی جہانتک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی ملک کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بند و بست تھا اور بند و بست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے اُنکو اُسی طرح قائم رکھا یہانتک دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جسطرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں شام کا رومی میں مصر کا قبطی میں تھا حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اُسی طرح رہا خراج کے محکمہ میں جسطرح قدیم سے پارسی۔ یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اسکی اصلاح کر دی چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے

مصر میں فرعون کے زمانہ میں جو بند و بست ہوا تھا۔ بالو میز (بطالیہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپائر میں بھی وہی جاری رہا فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے (۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے (۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے (۳) بند و بست چار سالہ ہو[۱]

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پایۂ تخت قسطنطنیہ کو روانہ کیجاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کیلئے یہیں سے غلہ جاتا تھا جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے یورپ کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اُسی اصول کے موافق بھیجا گیا لیکن یہ انکی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ رسم قائم ہو کر مدتوں جاری رہی لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے[۲] اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کیلئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اسکی تصریح کی ہے حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لئے غلے کے کھتیوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے مالگذاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے کہ لوگوں کے دل نہ دکھیں قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی مصر ایک ایسا ملک ہے جسکی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی کے درجہ پر ہے اسلئے بہت تفاوت ہوتا ہے اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا چند سالوں کی اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جو کاشتکار اپنے مصارف

[۱] پروفیسر فان کریمر نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مالگذاری پر لکھی ہے یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں آگے چلکر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا نام پورا یہ ہے۔ لا پروپراٹی ٹریٹوریل۔ ٹو ریوٹ فنرا بجرسر یہ پیرس تلبیس
[۲] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔

خراج کا دفتر فارسی اور عربی زبان کا

مصر میں فرعون کے عہد میں مالگذاری

رومیوں کا اضافہ

کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط کے لحاظ سے اُن کا کام چل سکے بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مالگذاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگذاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور اعراف طلب کئے جاتے تھے اور پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنہ کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی پیداوار جو ہوتی تھی اُسمیں اول گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا باقی جو بچتا تھا اُسمیں جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی ہر گاؤں میں جو جمع تشخیص ہوتی تھی اُسکا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل و انصاف کا یہی مقتضا تھا و مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کیساتھ ایک مدت سے معمول یہ تھا لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دیگئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائیگا۔ اس عدل و انصاف کیساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ دینار تھی جسکے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیہ کی رقم تھی خراج اس کے علاوہ تھا ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے اور خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ایک کروڑ ۲۰ دینار وصول کئے تھے عمرو بن العاص سے باز پرس کی یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیہ کا یہ دستور نہ تھا اس لئے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اسکا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے بہر حال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئے ہشام بن عبدالملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کے اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ہاں لیکن بچے بھوکے رہے۔ امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار

---

[۱۲] مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۶، ۔ علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ ۲۱۲ سو اسی کی تصنیف ہے

ہے ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعز الدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کردی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح لگان کیلئے مقرر کئے تھے یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا[2] اور قرائن اور قیاسیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اسکی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے تھی[3]

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس۔ کرمان۔ آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم معلوم نہ کرسکے۔ مورخین اور ملکوں کی حالات فتح میں صرف اسقدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا کہیں کہیں خاص رقم پر معاہدہ ہوگیا ہے تو اس کی تعداد لکھدی ہے باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتایج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی چنداں اسکی پروا نہیں کرتے البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغہ میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعۃً نہایت ترقی کر گئی یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دیدیں کچھ شاہی جاگیریں قرار دیں۔ کچھ کلیسا اور خرچ وغیرہ پر وقف کر دیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں چپہ بھر زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے۔ اور اگر مالک زمین کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کیساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ خیر میں باشندوں کو کچھ زمینداریاں ملگیں لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کیلئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی اس بہانے سے زمیندار خود اس زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کیساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنیکے ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے ان کے قبضہ سے بھی زمین نکال لیگئی حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھی یا جن پر رومی افسر قابض تھے۔

قانون زمینداری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

[1] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۹۹ [2] معجم البلدان ذکر مصر [3] دیکھو پروفیسر پرخم فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگذاری پر

باشندگانِ ملک کے حوالے کر دیا اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جائیں قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں اُن زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے یعنی مالکانِ اراضی کو قیمت دیکر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالکؒ نافع بن یزید بن لہیعہ نے اُن پر سخت اعتراض کیا حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو اُن ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیجدیے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں اسلئے کوئی زراعت نہ کرنے پائے یہ حکم اس سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اُس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دونگا کہ اوروں کو عبرت ہو۔[2]

ان قاعدوں سے حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو اُس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا جسکی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کیساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے سب سے بڑھکر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگذاری کے معاملے کو بہت دخل ہے رومن سلطنت میں باشندگانِ ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا ہے اُس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کیطرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کیطرف سے تھا مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور مسلمانوں سے کہدیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بیرحم رومیوں کے بہت پسند کرتے ہیں۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کیساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی اُنکو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری بہادری جفاکشی ہمت عزم اسی وقت تک قائم رہ سکتے تھے کہ وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہیں جسدن اُنہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا اسی دن تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے

بندوبست مالگذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملہ میں ایک اور نہایت منصفانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور اُن کی رضامندی کا لحاظ فرماتے تھے عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیس ہمارے پاس بھیجو جن کیساتھ مترجم بھی ہو۔[3]

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵۔ [2] حسن المحاضرہ صفحہ ۷۳۔ [3] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۷۵۔

ہوں پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور انکے اظہار[1] لیے اسی طرح مصر کے انتظام کیوقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملہ میں رائے لو اس پر تسلی نہ ہوئی تو ایک واقفکار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اسکا اظہار[2] لیا یہ طریقہ جسطرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا ان باتوں کیساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیئے جنکا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

بندوبست کیساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کیطرف توجہ کی عام حکم دیدیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص انکو آباد کریگا اُسکی ملک ہو جائینگی لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضہ میں لائے اور تین برس تک آباد نہ کرے تو زمین اُسکے قبضے سے نکل جائے گی اس طریقہ سے افتادہ زمینیں جلد آباد ہو گئیں حملہ کیوقت جہاں جہاں کی رعایا گھر بار چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لیے اشتہار دیدیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپکی فوج ادھر سے گذری اور اسکو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اُسکو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے[3] تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھنے اور تالاب تیار کرنے پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے۔ نہروں کے شعبے نکالنے اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ[4] بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اسکام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزء بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں جنکی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار کرائیں جنکا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور قسم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔
عشری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتی تھی اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے (۱) عرب کی زمین جسکے قابض اوائل اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ (۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضہ سے نکلکر مسلمانوں کے قبضہ میں آتی تھی مثلاً لاوارث مرگیا یا مفرور ہو گیا یا بغاوت کی یا استعفا دیدیا (۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اسکو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا اسلئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم

[1] کتاب الخراج صفحہ ۔ [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵ ، [3] کتاب الخراج صفحہ ۔ [4] ۔۔ جلد اول

نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں قائم رہی حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنووں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعودؓ و خباب وغیرہ کے قبضہ میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اسکی آبپاشی کرتے تھے تو ان پر عاید عشر مقرر کیا جاتا تھا۔ [1]

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زاید رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ روپیہ پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے بالکل مستثنیٰ تھے اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی دوسرے یہ کہ عشر ایک الہی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی یہانتک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھیں اور وقتاً فوقتاً اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایکدفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اسکے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے زکوٰۃ۔ عشور۔ جزیہ۔ مال غنیمت کا خمس

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی یہانتک کہ بھیڑ بکری اونٹ سبھی پر زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ صلعم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرت نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا لیکن اس سے معاذاللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ صلعم کی مخالفت کی آنحضرت نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی عشور خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کیلئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر دسواں حصہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر ہمارے ملک میں جو آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول

[1] کتاب الخراج صفحہ ۳۵ و ۳۶

لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست
بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا اور پھر ذمیوں
اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی حربیوں سے فیصدی دس، ذمیوں سے
۵ اور مسلمانوں سے ڈھائی لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے اس کا خاص محکمہ قائم
کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اس کی وہ آمد و برآمد کی
میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لیجائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ
تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی
چیز مال سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی

صیغۂ عدالت

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت
انتظامی صیغہ سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان
دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ
کے زمانہ تک خود خلیفۂ وقت اور افسران ملکی کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا
ضرور تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغے کا اجرا اور رعب و داب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لئے
فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت
عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے[1] بلکہ اسی بنا پر عبد اللہ بن مسعودؓ
کو فصل قضایا سے روک دیا۔ لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا
اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔ اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو
ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بعینہ اس
مقام پر نقل کرتے ہیں[2]۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد[3] جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے
جاتے ہیں اور جن کی نسبت سیسرو روم کا مشہور لکچرار کہتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے
بڑھ کر ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں

---

[1] اخبار القضاۃ محمد بن خلف وکیع۔ [2] اس فرمان کو علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہا میں اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ
و ابن عبد ربہ اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔ [3] ۴۵۱ قبل مسیح رومن امپائر نے یونان میں سفیر بھیجکر وہاں قانون (بقیہ صفحہ ۱۶۸)

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر کی تحریر

تمدن کے بہت سے اصول کا کس قدر زیادہ پتہ لگتا ہے حضرت عمر کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے :-

اما بعد فان القضاء فريضة وسنة متبعة سو بين الناس في وجهك ومجلسك وعدلك ولا يطمع الشريف في حيفك البينة على من ادعى اليمين على من انكر الصلح جائز بين المسلمين الا صلحا احل حراما او حرم حلالا - لا يمنعك قضاء قضيته بالامس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك واجعل لمن ادعى بينة امدا ينتهي اليه فان احضر بينة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء عليه والمسلمون عدول بعضهم على بعض الا مجلودا في حد او مجربا عليه شهادة زور او ظنينا في ولاء او قرابة

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور آور کو تمہاری رو رعایت کی امید پیدا نہ ہو جو شخص دعویٰ کرتا ہے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کرسکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اسکا ذکر نہ ہو تو اس میں غور کرو اور پھر غور کرو اور اسکی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اسکا حق دو ورنہ مقدمہ خارج مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جنکو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہیں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

بقیہ صفحہ ۱۶۵ کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا جسمیں بارہ امور انتظامی پر بارہ قاعدے تھے یہ تمام قواعد پیتل کی تختی پر کندہ کئے گئے اور مدت تک روم میں لسپارٹا کا وہی شاہی قانون رہا اس میں صیغہ قضا کے متعلق جو احکام تھے حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب تم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کیساتھ حاضر ہو

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اسکو پکڑ سکتے ہو

(۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو اسکو سواری دو ورنہ اس پر حاضری کے لئے جبر نہیں کیا جاسکتا

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اسکو چھوڑ دو

(۶) دولتمند کا ضامن بھی دولتمند ہونا چاہیے۔

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے

(۸) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو انکو ضامن دینا چاہیے

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کرسکتا مدعا علیہ کے دروازے پر کسی کو پکار کر کہے یہ قواعد ہیں جنکو یادگار کے طور پر ہم نے اسپارٹا سے لیا ہے

(۲) بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا کوئی شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلافِ قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظرِ ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہئیے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائے گا۔

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے۔ لیکن جو سزا یافتہ ہو۔ یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابلِ شہادت نہیں۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات بہ لحاظِ عدل و انصاف چار باتوں پر موقوف ہے:۔ (۱) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں (۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب (۳) وہ اصول اور آئین جنکی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصلِ خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں (۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا۔ تاکہ مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید میں موجود تھا۔ البتہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں۔ اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اسکی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن مجید میں وہ صورت مذکور نہ ہو۔ تو حدیث۔ اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرتِ آراء) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔[۱] حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکامِ عدالت کو مشکل اور مہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر انکو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن ہم اس موقعہ پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفاء وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے پایۂ تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن

[۱] کنز العمال صفحہ ۱۷۴، جلد ۳۔ مسند دارمی میں یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے:۔ عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شئ فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بہا فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبلک فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتہد برأیک ثم تقدم فتقدم وان شئت تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیرا لک۔

ثابت[۱] تھے جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں کاتب وحی رہے تھے وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں[۲] فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ ان پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلعم کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی حضرت عمرؓ ان کا اسقدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے انکے ساتھ ایک دفعہ بد مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے انکو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔ کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعود تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں عبد اللہ بن مسعود کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اسقدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں انکا جواب نہ تھا چنانچہ انکا نام آجتک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے حضرت علی انکو اقضی العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر الجمحی، ابو مریم الحنفی، سلمان بن ربیعۃ الباہلی، عبد الرحمن بن ربیعۃ۔ ابو قرۃ الکندی۔ عمران بن الحصین جو حضرت عمرؓ کے زمانے کے قضاۃ ہیں۔ انکی عظمت اور جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر لوگوں کو خود انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کیلئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمرؓ اسپر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر گھوڑا خریدا۔ اور امتحان کیلئے ایک سوار کو دیا گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کرنا چاہا گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اسپر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں حضرت عمرؓ نے کہا حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا کعب بن سور الازدی کیساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا[۳]۔

ناجائز وسائل آمدنی کو روکنے کیلئے بہت سی تدبیریں کیں (۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں۔ کہ بالائی رقم کی

حضرت عمر کے زمانہ کے حکام عدالت

قضاۃ کا امتحان سے مقرر ہونا

رشوت ستانی سے محفوظ

[۱] اخبار القضاۃ میں ہے:۔ ان عمر استعمل زید علی القضاء وفرض له رزقاً [۲] دیکھو اسد الغابہ فی احوال الصحابہ و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی [۳] استیعاب قاضی ابن عبد البر کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔

انصاف اور مساوات

ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلیمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانسو درہم[1] ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل کافی تھی[2]۔ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو۔ قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابوموسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی یہ وجہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔ ان باتوں کیساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنیکی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔ عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوانِ عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اسقدر اہتمام تھا۔ کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو دعوےٰ سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے زید کیطرف مخاطب ہو کر کہا۔ کہ جبتک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔ قضاۃ اور انکی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک ہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے۔ کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلافِ انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے۔ (یہ بنو امیہ کے زمانہ میں تھے) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی۔ کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا ہر حال کافی تھا۔ صیغۂ قضا اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں۔ اور جنکا بیان انکے اجتہادات کے ذکر میں آئیگا۔ ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا۔ چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا۔ اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسان

[1] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۲ [2] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع ۱۲

بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا۔ اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لئے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم انکو جس چیز کا لحاظ تھا۔ وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیودیں جکڑ دیا ہے۔ کہ دادخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اسقدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔ یہی مصلحت تھی کہ عدالت کیلئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا۔ کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازت عام تھی۔ وہ کسی اور عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف نہیں برداشت کرنا پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور متبذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں۔ تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

افتاء عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا۔ اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیئے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا عذر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ اور قوموں نے اس کیلئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اسقدر عام ہو چکی ہے۔ لیکن اس درجہ کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے۔ کہ ہر شخص قانون دان بن جائے کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جسکا نام محکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا۔ کہ لائق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے۔ اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ ان پر فرض تھا۔ کہ نہایت تحقیق کیساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف

ہو سکتا تھا۔ اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغازِ اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا نہ زمانہ بعد میں بلکہ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا +

اس طریقے کیلئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کیلئے نامزد کر دیئے جائیں۔ تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتا کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابوہریرہؓ۔ ابو الدرداؓ وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔ "سابق وعظ و فتوای موقوف بود بر رائے خلیفہ بدون امر خلیفہ وعظ نمے گفتند و فتویٰ نمی دادند آخر بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ مے گفتند و فتویٰ مے دادند"۔ تاریخوں میں اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی۔ انہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمرؓ نے انکو منع کر دیا۔ چنانچہ ایکدفعہ عبدالرحمٰن بن مسعود کیساتھ بھی یہ واقعہ گذرا[1] بلکہ انکو یہانتک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم مسئلہ کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے[2]۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھا۔ لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے بارہا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں بمقام جابیہ ہزاروں آدمیوں کے سامنے جو خطبہ پڑھا اسمیں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیأت ابیا ومن اراد ان یسأل الفرائض فلیأت زیدا ومن اراد ان یسأل عن الفقہ فلیأت معاذا[3]

یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوجداری اور پولیس

جہانتک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کیلئے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کاروائیاں پولیس کے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اسوقت اسکا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۳۰ [2] مسند دارمی [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۰

حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون اور حضرت ابوہریرہؓ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگذاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہؓ کو تصریح کیساتھ پولیس کے اختیارات دیئے ہیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ناپ تول میں دھوکہ دینے نہ پائیں کوئی سڑک پر دکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کیلئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہوگیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں حبان بن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کیلئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے۔

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے ورنہ انسے پہلے عرب میں جیلخانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دیجاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کیا اور اسکو جیلخانہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلخانہ نرسل بنا تھا اسوقت تک صرف مجرم قید میں رکھے جاتے تھے جیلخانہ تعمیر ہونیکے بعد قاضی شریح مدیونوں کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانے میں بھجواتے تھے جیلخانہ تعمیر ہونیکے بعد سزاؤں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو آخر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔ جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

بیت المال (یا) خزانہ

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں سب سے اخیر رقم جو وصول ہوئی۔ وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کردی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا۔ بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا۔ اسیوقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال ۱۰۔۱۰ درہم اور دوسرے سال ۲۰۔۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کیلئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسیوقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اسکی نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کیوقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا۔ تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ میں حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال کے اخیر میں پانچ لاکھ کی

۱؎ مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷ ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۳۴۶ ۳؎ اسد الغابہ تذکرہ ابو محجن ثقفی ۴؎ فتوح البلدان از صفحہ ۸۴ تا ۸۵

رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اسکے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کیلئے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔ عبد اللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اسکے ساتھ اور لائق لوگ انکے ماتحت مقرر ہو گئے جن میں سے عبد الرحمٰن بن عبید القاری اور معیقیب[1] بھی تھے۔ معیقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے انگشتری بردار تھے اور اسکی وجہ سے انکی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔ دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اسکے افسر جداگانہ ہوتے تھے مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں۔ کوفہ میں بیت المال کیلئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزبہ ایک مجوسی معمار نے بنایا تھا۔ اور جس کا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعہ سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے۔ کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی۔ اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا[2] معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے[3] کہ جب طلحہ و زبیر حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ تو سیابجہ کے ۴۰۰ سپاہی خزانے کے پہرہ پر متعین تھے۔ اور انہوں نے طلحہ و زبیر کے ارادے کی مزاحمت کی سیابجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے۔ کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔ اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرا دیا۔ صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے۔ ان کا یہ انتظام تھا۔ کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کیلئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی

[1] کتب رجال میں معیقیب کا تذکرہ دیکھو [2] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶

تھی۔ چنانچہ اسکے متعلق عمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کسقدر رقم محفوظ تھی یعقوبی کی تصریح سے اسقدر معلوم ہے کہ دارالخلافہ کے خزانے سے خاص دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اسکے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں۔ جن کی تفصیل ہم نظرانداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان اس کے لئے اصطلاحی لفظ نہیں مصر و شام میں اسکا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ شفاخانے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کیلئے کوئی مستقل صیغہ قائم نہیں ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھیں۔ زراعت کی ترقی کیلئے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

نہر ابی موسیٰ۔ یہ نہر ۹ میل لمبی تھی جسکی تیاری کی تاریخ یہ ہے۔ کہ ایکدفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے۔ اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوا دی جائے۔ چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹکر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی۔

نہر معقل۔ یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے۔ اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل۔ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔ اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا۔ جو ایک مقدس صحابی تھے۔ اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہوگئی۔

نہر سعد۔ اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا۔ تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا انہوں نے بڑے

اہتمام سے کام کرلیا لیکن کچھ دور تک پہنچکر ایک پہاڑ بیچ میں آگیا۔ اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانہ میں پہاڑ کاٹکر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا۔ تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کیساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے خشکی کا راستہ بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دارالخلافہ میں حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اس ذریعہ سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے۔ بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات نیل سے چلکر قلزم آتے تھے اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے تھے۔ جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے۔ کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہوگئی چنانچہ پہلے ہی سال میں ۲۰ بڑے بڑے جہاز جنہیں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعہ سے مدینہ منورہ کے بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اسکے ذریعہ سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہوگئی۔ سنہ ۱۵۰ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اسکو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہوگئی۔ اور مدتوں تک جاری رہی[1]۔ ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کیلئے موقعہ اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ نہر نکال کر دونوں سمندروں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کو جب انکے ارادے سے اطلاع ہوئی۔ تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لیجائیں گے[2] اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصہ میں آتا۔ عمارات جو حضرت عمرؓ نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں (۱) مذہبی جیسے مساجد وغیرہ انکا

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵، ۳۵ میں اس کا حال تفصیل سے لکھا ہے جغرافیہ بشاری میں بھی اس کا ذکر ہے [2] یہ تفصیل حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۱۷۱ و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰ میں ہے۔

بیان تفصیل کیساتھ مذہبی صیغہ میں آئیگا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں (۲) فوجی جیسے قلعہ، چھاؤنیاں، بارکیں، ان کا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئے گا (۳) ملکی مثلاً دارالامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) دارالامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کیساتھ لکھا ہے (۲) دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا (۳) بیت المال یعنی خزانہ کا مکان یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کے حال میں گذر چکا (۴) قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانہ کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گذر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا۔ وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا (۵) مہمان خانے یہ مکانات اسلئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کیلئے شہر میں آتے جاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں مہمان خانہ بنا اسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے۔ آمر ان لمن یرد من الآفاق دارا فکانوا ینزلونها مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اسی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا۔ ہوا۔ لیکن اسوقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اسوقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونا پتھر کی بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا۔ کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں بصرہ کا ایوانِ حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا[۲]۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیگی حضرت ابوعبیدہ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا[۳]۔

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۳۳۸ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷۔

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا۔ لیکن اسکے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں اور چشمے تیار ہوئے[1]۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔ از انجملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بمکہ مکرمہ توجہ فرمودہ نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازلے کہ مابین حرمین واقع اند سایہا و پناہہا سازند۔ وہر چاہے کہ ریناشتہ شدہ باشد آں را پاک کنند و صاف نمائندہ در منازل کم آب چاہہا کنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود۔

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں۔ انکے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاتا ہے انہیں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے ہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہو گا۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس و ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کیلئے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعہ سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر خود حضرت نے بتا دیا تھا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کیساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے۔ جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی طرح ڈالی۔ اور مختلف قبائل کیلئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلہ کو اتارنا مناسب ہو اتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کیساتھ دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی۔ زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اس وقت

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے۔ وعلی ان علیہم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانہار بین مدالہم
تاریخ طبری وقعات ۱۶ھ صفحہ ۲۲۰۰ میں ابتدائی دنوں کا ذکر ہے۔ [2] طبری صفحہ ۲۵۲۹ و بلاذری صفحہ ۵۳۔

کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہؓ سے دریائے دجلہ دس میل پرے ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گذر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانہ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور اُنکی آل و اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔ یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیہ کی بنیاد یہیں پڑی۔ سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی۔ جس کا نام کتاب العین ہے۔ اور خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہؤا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ و روپ بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آسکتی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان حذیفہ نے جو خاص اسی کام پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرماں روا تھا اُن کا پائے تخت یہی مقام تھا۔ اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدالعذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان، شقائق، قیصوم

۱؎ بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں چونکہ یہاں اسی قسم کی زمین تھی لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جس کے معنی فارسی میں بہت سے رستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو نکلیں اس لئے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس شاہان عجم نے جو عمارتیں تیار ہوئی تھیں ان کے نام بھی در اصل فارسی رکھے تھے مثلاً خورنق جو در اصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو در اصل سہ در ہے۔ ۱۲

خرامی کا چمن زار تھا۔ غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا، ۴ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے لئے خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا کہ شارع عام ۴۰-۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں۔ اور گلیاں ۷-۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربعہ بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی۔ اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ عمارتیں اول گھاس پھوس کی بنیں۔ لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا۔ تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نوشیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث تھا۔ اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے۔ اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور اُستاد تھا۔ اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوانِ حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلہ میں دربار خلافت روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر صیغے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے۔ ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلہ، تیم اللات، تغلب، بنو اسد، نخع و کندہ، ازد، مزینہ، تمیم، محارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط، جہینہ، مذحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی لیاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو پچاس ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور چوبیس ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے چھ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کے تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ سعد بن وقاص نے جو ایوان حکومت بنایا تھا۔ اس کی بنیاد اب بھی قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے۔ کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی۔ یعنی ابو الاسود دوئلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث وفقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے۔ ان میں ابراہیم نخعی، حماد، امام ابوحنیفہ، امام شعبی یادگار زمانہ تھے۔

فسطاط۔ عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا۔ کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت لی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے۔ وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے۔ چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔ فسطاط

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے۔ یہاں انکا وہ خیمہ ابتک اسی حالت سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے حملہ کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمہ میں اُترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ ابن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن مخرم، حیویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلہ کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں جسقدر محلے اسوقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے۔ انکے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ اسی صحابہ نے

جمع ہو کر اُسکے قبیلہ کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادہ، ابو درداء اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی تین طرف دروازے تھے جنمیں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کیلئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرا دیا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی۔ اسلئے اسکا نام فسطاط پڑا جسکے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ھ ہے۔

فسطاط کی آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہل عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۳۶ مسجدیں آٹھ ہزار سڑکیں۔ ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اسکی وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن اور ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جسنے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے۔ ناسخ بغداد و مفخر الاسلام و خزانۃ المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اہلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔

موصل۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اسوقت اسکی حالت یہ تھی ایک قلعہ اور اسکے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اسکا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے شہر تین ہیں نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کا گذرگاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اسکو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ

جیزہ۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کیلئے کہ رومی دریا کیطرف سے نہ چڑھ آئیں تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جسمیں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن انکو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۳ تا ۲۲۳

وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کیلئے یہاں آئے تھے۔ اور ایسے عمدہ مقصود کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاسکتے عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ انکی حفاظت کیلئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۲۲ھ میں بنکر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کیطرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے۔ ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے چنانچہ یہ قبیلہ اور اُنکے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے اُنہیں سے بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں[1]۔

صیغہ فوج!

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی ہیں جنکی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منتظم اور اصول سیاست کیخلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے انکو بڑی بڑی جاگیریں دیجاتی تھیں۔ اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کیوقت اسقدر فوج لیکر حاضر ہونگے۔ یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اسوجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تو انکی فوج ان کیساتھ ہوکر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے اس طریقہ نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بہ سلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جنکو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار و زمیندار تھے۔ اس طریقے نے درحقیقت روم کی سلطنت کو برباد کردیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔ فرانس میں ۱۱۰۰ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈالکر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی۔ تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہوگیا۔ چنانچہ اسلام کے بعد ۷۵۱ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں سلاطین یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی

فوجی انتظام رومن امپائر میں

فوجی انتظام ایران میں

فوجی انتظام فرانس میں

[1] خیرہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے۔

نہیں پیش آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت کے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰۔۱۰ روپیہ کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد ۲۰ بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ کے اوائل خلافت تک یہی حال رہا لیکن ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغہ کو اس قدر منتظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی توجہ کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع کی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت ایک عجیب چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا خیر ہے کتنے لائے ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہؓ نے کہا ہاں یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زرکثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بعض اشخاص نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے۔ دبستان، دبیر، دفتر، دیوان سب ایک مادہ کے الفاظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام

تمام ملک کو فوج بنانا

بہرحال ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا۔ اس بات میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کے فن میں استاد تھے۔ مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام مفصلاً درج ہو۔ ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم، پھر حضرت ابوبکرؓ کا خاندان، پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا۔ یہ سب ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یوں نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قرابتداروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب سیدھے

۱؎ مقریزی صفحہ ۹۳ اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹ و ۴۵۰۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین جلد دوم صفحہ ۳۷ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص اشعار عرب اور انساب اور اخبار کے حافظ تھے مخرمہ بن نوفل، ابوجہم، حویطب بن عبدالعزیٰ، عقیل بن ابی طالب۔

قبیلہ تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جاکر آنحضرتؐ سے ملتا ہے غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں:-[۱]

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ	تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے	۵ ہزار درہم	جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	۲ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد	۴ ہزار درہم	اہل یمن	۴۰۰ درہم
فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۳ ہزار درہم	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے	۲ ہزار درہم	بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے انکی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی انکے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے۔ اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن انکی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

(۲) جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے انکو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آجکل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آجکل کے والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوج بلحاظ نسل کا یہ انتظام بیان کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے اسمیں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا نقص یہ تھا

۱؎ تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ و بلاذری صفحہ ۴۴۸ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ و طبری صفحہ ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے۔ ۱۲۔ ۲؎ اس موقع پر ایک امر نہایت قابل توجہ کے ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اسکو فوجی صیغہ سے چنداں تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا یہ نہایت غلط خیال ہے اول تو جہاں مورخوں نے اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قد جئت الشام فرأیت ملوکها قد دونوا دیوانا و جندوا جندا فدون دیوانا و جند جندا فاخذ بقوله یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائیے اور فوج مرتب کیجئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لیجاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ ان کی تنخواہیں نہیں مقرر کرتے تھے اسی بنا پر مکہ کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی فتوح البلدان میں ہے ان عمر کان لا یعطی اہل مکة عطاء ولا یضرب علیهم بعثا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بحرنشین بدوؤں نے حضرت ابو عبیدہ سے تنخواہ کی مقرری کی درخواست کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جنگ کی آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر ہو جائیں تو بدوؤں کی تنخواہ نہیں مقرر ہو سکتی۔ البتہ اسمیں شک نہیں کہ اوائل میں فوج کے رجسٹر میں ادنیٰ ہر قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ رکھتے تھے یا اسی قسم کا کمال رکھتے تھے لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو ضرورتاً اختیار کیا گیا تھا۔ مٹ گیا۔ چنانچہ اسی مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے ۱۲۔ ۳؎ فتوح صفحہ ۴۵۸

یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کیساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی سنہ ۲۱ ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغہ کو اس قدر مرتب اور منتظم کردیا کہ غالباً اس حد تک کبھی اور کہیں نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائی تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب و باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔ اس صیغہ میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا حضرت عمرؓ نے ۲۰ ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو قسمیں کیں۔ ملکی اور فوجی۔ ملکی کا حال ابتدائی انتظامات میں گذر چکا ہے۔ فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیئے جنکا نام جند رکھا ہے۔ یہی اصطلاح آجتک قائم ہے انکی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہیں ممالک میں قائم کئے گئے موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن، چار صدر مقام قرار دیئے فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرقی فتوحات کے دروازے تھے۔ ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے۔ وہ حسب ذیل تھے:۔

(۱) فوج کے رہنے کیلئے بارکیں تھیں، کوفہ، بصرہ، فسطاط۔ یہ تینوں شہر اصل فوج کے قیام اور بود و باش کیلئے ہی آباد کئے گئے تھے موصل میں عجمیوں کے زمانہ کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازو سامان کیساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتہً ضرورت پیش آجائے۔ تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے۔ سنہ ۲۱ ھ میں جزیرہ والوں نے دفعتہً بغاوت کی تو یہی تدبیر کارگر ٹھہری۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے

۱؎ جند کی تحقیق کے لئے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲، مورخ یعقوبی نے واقعات ۲۰ ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین، جزیرہ، موصل اور قنسرین کا نام لکھا ہے یہ مورخ کی غلطی ہے۔ ۲؎ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ میں ہے۔ کان لعمر اربعۃ آلاف فرس عدۃ لکون ان کان یشتیہا فی قبلۃ قصر الکوفۃ و بالبصرۃ نحو منہا قیمتہ علیہا جزء بن معاویۃ و فی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدرہا فان نابتہم نائبۃ رکب قوم و تقدموا الی ان یستعد الناس ۱۲

چار منزل کے فاصلہ پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کیلئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ[1]۔ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہانتک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہوگئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے[2]۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام مشہور تھی جسکے معنی اصطبل خانہ کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اسکو اخور شاہجہان کہتے تھے۔ بہار میں گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے خاصکر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب نسل میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی۔ اس کو دوغلا قرار دیکر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے۔ بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا۔ جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

(۴) رسد کیلئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہیں مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔ ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مقامات میں بھی نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا۔ اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا۔ اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کیساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی[3]۔ لیکن امن وامان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی۔ یعنی دلوک، رعبان، قورس، قنسرین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں انکو فروج یا الثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم ونسق اور مناسب انتظامات کئے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے یعنی عسقلان، یافہ، قیساریہ، ارسوف، انکا، صور، بیروت، اطرابلس، صیدا، ایاس،

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۶۔ [2] کتب رجال میں سلمان بن ربیعۃ کا تذکرہ دیکھو۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے۔ وکان المسلمون کلما فتحوا مدینۃ ظاہرۃ او عند ساحل رتبوا فیہا قدر من یحتاج بہا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئ منہا حدث من قبل العدو سربوا الیہا امداد اور صفحہ ۱۵۱ میں ہے وولی ابوعبیدۃ کل کورۃ فتحہا عاملا وضم الیہ جماعۃ من المسلمین وشحن النواحی المخوفۃ ۱۲

لاذقیہ ۔ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت زور پر تھی ۔ اس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اسکا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا[1] ۔ بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہم سرحد تھا وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے[2] ۔ سنہ ۱۹ھ میں یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہؤا تو اُن کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی[3] کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے ۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے ۔ اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں ۔ اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے ۔

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جسقدر فوجیں تھیں اسکی ایک چوتھائی اسکندریہ کیلئے مخصوص تھی ۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی ۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں ۔ اور ہر ایوان میں انکے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو انکے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جسکی معرفت انکی تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں ۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی[4] ۔ سنہ ۱۹ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں[5] ۔ یہاں تک عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہیں مقامات کے لئے مخصوص کر دی[6] ۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے ۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے ۔ اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے دس ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں[7] تاہم ان اضلاع میں فوجیوں کی عجمی چھاؤنیاں جو پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں ۔ جزیرہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں[8] ۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں تیار کی گئیں ۔ چنانچہ قصر تیری ، مناذر ، سوق الاہواز ، سرتران ، سوس ، بنیان ، جندی سابور ، مہرجان قذق ، یہ تمام مقامات[9] فوجوں سے معمور ہو گئے ۔ رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں[10] ۔

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳ اصل عبارت یہ ہے فسیر عراة مذاق وسمی الشواتی والصوائف وسد فروج الشام ومسالحہا واقر بینہ بہا وسمی ذالک فی کل کورۃ واستعمل عبداللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ ۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے ورتب البعبیۃ مبا قس جماعۃ من العاملہ واسکنہا من العرب الذین کانوا بالشام واسلموا بعد قدوم المسلمین الشام ۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے ۔ ان معاویۃ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیہ یزید یصف لہ حال السواحل فکتب الیہ بمرمۃ حصونہا وترتیب المقاتلۃ فیہا واقامۃ الحرس علی مناظرہا واتخاذ المواقید لہا ۔ [4] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے ۔ وکان لکل عریف قصر ینزل فیہ بمن معہ من اصحابہ واتخذ فیہ افنیۃ ۔ [5] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ ۔ [6] مقریزی صفحہ ۱۶۷ ۔ [7] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۶ میں ہے ۔ وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو ہذین الثغرین منہم الری وآذربائیجان منہم عشرۃ آلاف فی کل سنۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوۃ ۔ ۱۲

[8] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰ ۔ [9] طبری صفحہ ۲۶۵ ۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جابجا قائم کی گئیں۔ جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقعہ پر یہ لحاظ کے قابل ہے۔ کہ اس سلسلہ کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی۔ لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا۔ اور ادھر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے۔ اس وجہ سے شام و مصر میں، اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا اندیشہ نہ تھا، کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس کیساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضہ میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ اس وجہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جسقدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات پر کیں جو ساحل پر واقع تھے۔ یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اس سے مختلف تھی۔ کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کیلئے لڑتے رہتے تھے۔ اور دب کر مطیع ہو جاتے تھے تو انکی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ قائم رکھنا ضرور تھا۔ کہ مدعیانِ ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ کیساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اسقدر منتظم کر دیا کہ اسوقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتدا مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب پر محیط ہو گیا۔ مدینے سے عسفان تک جو کہ مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جسقدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اسکو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ وغیرہ میں جسقدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بیشمار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے نہیں معلوم ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ آدمی ہتھیار بند تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی[1]۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جنمیں چالیس ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی انکو باری باری سے ہمیشہ رے و آذربائیجان کی مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم کی تھیں

ملکی فوج بھی رجسٹر میں درج تھی

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ نمبر ۵۳۱۳ و ۵۳۱۴ میں ۳۰ ہزار کی بجائے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اسے گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اس دن سے درحقیقت حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس نے دیلم قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا۔ جنکی تعداد چار ہزار تھی اور جند شہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہوکر اسلام کے حلقہ میں آگئی۔ سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں[1]۔

چنانچہ اسلامی فتوحات میں انکا نام بھی جابجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدجرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سنہ ۱۷ھ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا۔ تو سیاہ کو تین سو سواروں کیساتھ جنمیں ستر شخص نامی پہلوان تھے اصطخر کیطرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعری نے جب سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کیساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لی جائیں۔ چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے۔ اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر انکی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کی جنکے نام یہ تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرودین، ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی[2]۔

باذان نوشیروان کیطرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اسکی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی۔ اسمیں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے انکا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جنکو اہل عرب زط کہتے ہیں یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے[3]۔ یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانسو آدمی شریک جنگ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو جداگانہ محلہ میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا چنانچہ فتح مصر

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔ [2] طبری و فتوحات شامیہ ذکر فتوح سوس فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵۔

میں انہیں سے ایکہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ غرض حضرت عمرؓ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کیلئے کسی قوم کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہانتک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والنٹیر فوج میں ہزاروں مجوسی بھی شامل تھے جنکو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے فوج نظام میں مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اسکی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئیگی لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جسمیں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کیلئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا بھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا۔ انہیں کے ہم قوموں کو اُنسے لڑانا فنِ جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خر گوش ہر مرز را ہم بہ شگفت سگِ آں ولایت تواند گرفت

جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ابتدائے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے انکے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اسوقت یہی مصلحت تھی حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمرؓ نے اسکو صیغہ تعلیم سے متعلق کرکے اس دفتر سے علیحدہ کر دیا چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا تعطہ علی القرآن۔ (عدن ۱)

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے باز رکھتے تھے، اسلیئے ضرور تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔ اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوٹنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔ تنخواہوں میں ترقی

رسد کا بندوبست پہلے صرف اسقدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کرکے جنس و غلہ لوٹ لائیں البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں کے جزیہ کیساتھ فی کس ۲۵ آثار غلہ لیا جاتا تھا۔ اور وہ سپاہ کے کام میں آتا تھا مصر میں غلہ کیساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کیلیئے سالن کا کام دیتا تھا جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اسکے بجائے نقدی مقرر کر دی جسکو رسد کا مستقل محکمہ

۱؎ مقریزی صفحہ ۹۸ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ اصلی عبارت یہ ہے نافا احتاجوا الی اللحم والطعام خرجوا خیلا فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان عمر یبعث علیہم من المدینۃ الغنم و الجزور ۳؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ و ۲۱۶۔

رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہرا
تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہؓ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے اہرا ہری کی جمع ہے ہری ایک یونانی
لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے
لیا گیا تھا۔ اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا تمام جنس و غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا
اور مہینہ کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا اس کے ساتھ فی کس بارہ اثار
روغن زیتون اور ۲ اثار سرکہ بھی ملتا تھا اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا
کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے تنخواہ اور

خوراک، کپڑا، اور بھتہ

خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جس کی تفصیل وردی کے ذکر میں آئیگی ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی
مقرر تھا جس کو عربی میں معونہ کہتے ہیں سوار کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم
مایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ اس غرض کے
لیے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے[2] بھتہ و تنخواہ وغیرہ
کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت جبکہ خاص جاگیروں کی آمدنی

تنخواہوں کی تقسیم کا طریقہ

تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یار مس ہوتا تھا فوجی افسر جو کم سے
کم دس سپاہیوں کے افسر ہوتے تھے اور جو امراء اعشار کہلاتے تھے تنخواہ انکو دی جاتی تھی وہ عریف کو حوالے کرتے تھے اور عریف
اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے
جنکے ذریعے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امرائے اعشار
نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن نمران
مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے
عہدے اور درجے متعین کئے اور دس دس کی بجائے سات سات سپاہی پر ایک افسر مقرر کیا گیا[3] عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات
سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی کنز العمال باب الجہاد میں بیہقی کی روایت ہے۔ اول من دوّن الدواوین
وعرّف العرفاء عمر بن الخطاب. تنخواہوں میں قدامت اور کارگزاری کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا

تنخواہ کی ترقی

قادسیہ میں زہرہ عصمہ ضبی وغیرہ نے بڑے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے انکی تنخواہیں دو دو ہزار سے

---

[1] تاریخ طبری ۲۴۹۵۔ دس ہزار کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو لسان العرب۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۸۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۱
اصل عبارت یہ ہے کان لعمر بن الخطاب اربعة آلاف فرس اذا كان في عطاء الرجل خفة او كان محتاجاً اعطاه الفرس۔ طبری
صفحہ ۲۴۹۴ اصل عبارت یہ ہے۔ وامرهم في الربيع من كل سنة بعطائهم وباعطياتهم في المحرم من كل سنة وبفيئهم عند طلوع الشعرى
في كل سنة وذلك عند ادراك۔ یہ واقعات بنہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۵ و ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۲ میں ہیں۔

ڈھائی ڈھائی ہزار ہوگئیں مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور اعلیٰ قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اس کی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے تھے

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی مہمیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں بھیجی جاتی تھیں اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صائفہ رکھا تھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں کیا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

(۲) فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیجی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول ۱۷ھ میں جاری کیا گیا جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں[۱] عمرو بن العاص گورنر مصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائیں بارکوں کی تعمیر اور چھاونیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑ جاتے تھے فوج کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ بصرہ فسطاط وغیرہ ان میں اصول صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمرؓ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھ بھیجی تھی چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گذر چکی ہے۔

(۳) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن قیام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔[۲]

رخصت کا باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں درد ناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دیئے کہ کسی شخص کو چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے لیکن یہ تمام اسباب

۱؎ تاریخ طبری میں ہے وکتب عمر الی سعد بن مالک و الی عتبۃ بن غزوان تربعا بالمسلمین فی کل حین ربیع فی اطیب ارضیہم۔ کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۲ ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۵

اسی حد تک مقتضی تھی جہاں تک ضرورت کا اقتضا تھا ورنہ آرام طلبی کاہلی عیش پرستی سے بچنے کیلئے سخت بندشیں تھیں نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں نرم کپڑے نہ پہنیں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں حماموں میں نہ نہائیں

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جسکو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا فوج کے نام انکے جو احکام منقول ہیں انمیں صرف اسقدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ ۲۲ھ میں جب عمر بن ربیعہ باب جزیرہ پر مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی انمیں شامل تھے اور وہ یہ تھے اُون کا جبہ، ابجی، ٹوپی یا عمامہ، پاجامہ، موزہ حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جنکا عرب میں کبھی وجود نہ تھا مثلاً ہر فوج کیساتھ ایک افسر خزانہ ایک محاسب ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے انکے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبد الرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ حساب مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتدا اسی زمانہ سے ہے فوجی قواعد کی نسبت ہمکو صرف اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے انمیں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی

فن جنگ کی ترقی

تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا، اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی تاہم اسمیں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت کچھ ترقی کی عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً میمنہ میسرہ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی سالار کے نیچے یکجا ہو کر نہیں لڑتی تھی سب سے پہلے ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالدؓ کی بدولت تعبیہ[1] کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج کی تعداد ۳۶ ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے

فوج کے حصے

حضرت عمر کے زمانہ میں فوج کے جو حصہ اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

قلب	سپہ سالار اسی حصہ میں رہتا تھا	میمنہ	قلب کے داہنے ہاتھ پر ہوتا تھا
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلہ پر ہوتا تھا	میسرہ	بائیں ہاتھ پر

[1] طبری واقعات سنہ ۱۳ صفحہ ۲۰۹۲۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور عجم کے طریقہ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے کہ تعبیہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی ۱۲

ساقہ	سب سے پیچھے	روٗ	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرے
رکبان	شتر سوار	رائد	جو فوج کیلئے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی
فرسان	سوار	راجل	پیادہ
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی	رماۃ	تیر انداز

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیاء ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا سوئیاں۔ سوا۔ ڈورا۔ قینچی۔ توبڑا۔ چھلنی۔ قلعوں پر حملہ کرنے کیلئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا چنانچہ سب سے پہلے ۸ھ میں طائف کے محاصرہ میں اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے مثلاً ۱۶ھ میں بہرسیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کیلئے ایک اور آلہ تھا جسکو دبابہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جسمیں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیئے لگے ہوتے تھے سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اسکے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اسکو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیوار کو آلات کے ذریعے توڑ دیتے تھے بہرسیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔ رستہ صاف کرنا سڑک بنانا۔ پل باندھنا یعنی جو کام آجکل سفرمینا کی پلٹن سے لیا جاتا ہے اسکا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام اکثر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر کو رخ کریگی سفرمینا کی خدمت کو مصری انجام دینگے چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کیلئے اسکندریہ کیطرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر دیا تھا اسواسطے قبطی خود بھی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کیلئے قدرتی سامان ہاتھ آ گئے تھے شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے اکثر گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آتے تھے اسلئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا اُن لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر نہ ظاہر کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اسلئے دشمن کی فوجوں میں جہاں ۹۹

ہر سپاہی کو ساری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں سوئی سلائی آلات

سفرمینا

(۱) [illegible]

۱ فتوح البلدان صفحہ ۱۸۱ ۲ مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخرج عمر بالمسلمین وخرج معہ جماعۃ من رؤساء القبط وقد اصلحوا لہم الطرق واقاموا لہم الجسور والاسواق۔

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں[1] فلما رأى اهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين وعونا للمسلمين على اعدائهم فبعث اهل كل مدينة ممن جرى الصلح بينهم وبين المسلمين رجالا من قبلهم يتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملكهم وما يريدون ان يصنعوا۔ اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کیلیے مقرر کئے گئے اور اس کے صلہ میں انکی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دیدی گئیں[2] اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور انکو بھی خراج معاف کر دیا گیا[3]

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھکر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اسقدر بیشمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک مختلف قبائل۔ مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اسکے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اسطرح حضرت عمر کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کیساتھ موجود ہیں اسکا عام سبب تو حضرت عمر کی سطوت اور ان کا رعب داب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر نے ہر فوج کیساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی انکو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک ضمنی موقعہ پر لکھتے ہیں۔ وكانت تكون لعمر العيون في كل جيش فكتب الى عمر بما كان في تلك الغزاة وبلغه الذي قال عيينة[4] ایک موقعہ پر لکھتے ہیں۔ وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمله اس انتظام سے حضرت عمر یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بد اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اسکا تدارک کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی ایران کی فتوحات میں عمرو معدی کرب نے ایکدفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہدیا تھا فوراً حضرت عمر کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمرو معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر انکو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصا نہیں ہو سکتا

صیغۂ تعلیم

حضرت عمر نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی بڑے بڑے علما صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم

[1] تاریخ شام للازدی صفحہ ۱۰۵ و طبری صفحہ ۲۳۰۵ و ۲۴۰۲۔ ازدی کی عبارت یہ ہے لما رأت الروم ... الذی نزلوا به وسنا ابو کم رجالا من اهل البلد کانوا نصاری ... اخبارهم ... اتوا اخبارهم ... کتب مذکور صفحہ ۹۸

[2] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۸، [3] طبری صفحہ ۲۲۰۸ [4] طبری ۲۵۲۱۔

کے لئے معمور کئے گئے تھے مدرسین و معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لئے اُسکا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغہ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبادۃ صفائے قلب، قطع علائق، خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سررشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آ سکتیں اسلئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اسکا ذکر نہیں کر سکتے اسکا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئیگا البتہ اشاعت اسلام تعلیم قرآن و حدیث احکام مذہبی کا اجرا اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آ سکتے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول و مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران سعد وقاص کو جو خط لکھا اسمیں یہ الفاظ تھے وقد کنت امرتک ان تدعوا من لقیت الی الاسلام قبل القتال قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کیلئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول عقائد ان کے سامنے بیان کئے

لہ یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۹۰ مطبوعہ حیدرآباد و ۲ کتاب الخراج ۱۲۔

اشاعت اسلام

اشاعت اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا اس طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی سادگی پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کرتا جاتا تھا شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابو عبیدہؓ کی فوج میں جاکر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتہً قوم و خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات ہی سنکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پر زور قوموں کا قدم اکھڑ جاتا ہے خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بیفائدہ ہے فلس کے معرکہ میں جب سیاہ کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اسکو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا اُن کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے۔ ابو رجا فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اسوقت تک میں مجوسی تھا عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھکر کہا کہ تکلے ہیں لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے لاٹ پادری نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق و شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جسقدر ان کا میلان ایک عربی مذہب کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ جسقدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جسقدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہب مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جسکا نام اقذکون تھا حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے

اشاعت اسلام کے اسباب

۱؎ تاریخ مقریزی صفحہ ۲۹۰ میں ہے۔ فخرج سبطانی المغنی عن اصحابہ ولحق بالمسلمین۔ ... ان ذلک حبیب ... وعیل الی ... عن سیرۃ ... الاصابہ ... طبری واقعات جنگ فارس ... مقریزی جلد اول ... معجم البلدان ذکر دیرت

سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کیساتھ لوگ ایمان لائے افسوس ہے ہمارے مورخین نے کسی موقعہ پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم انکو اس موقعہ پر بیان کرتے ہیں۔

سنہ ۱۶ھ کے اخیر میں جب شام فتح ہوا تو بڑے بڑے رئیس اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُن کے یہ نام ہیں جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروز۱؎ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے اُنکی رعایا میں خود بخود اسلام کا شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپریل گارڈ یعنے شاہی رسالہ کہلاتی تھی کُل کی کُل مسلمان ہوگئی۲؎

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جسکا نام سیاہ تھا یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بُلا کر تین سو بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کیساتھ ان اطراف میں مقیم تھا ایکدن اُسنے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ عرب ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کر لیں چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہوگئے یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے انکے اسلام لانے پر سیاہ بحیتہ، اندغار بھی مسلمان ہوگئے یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے تو حضرت عمرؓ نے بڑی تحدی کیساتھ ہر جگہ سے ان کو واپس لیکر مصر بھیج دیا کہ اُن کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ ان میں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کُل کے کُل اپنی خواہش سے مسلمان ہوگئے۳؎ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور وراوہ سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۴؎

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵ ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰ ۳؎ تاریخ مقریزی صفحہ ۲۹۲ جلد اول ۴؎ مقریزی صفحہ ۲۸۸ میں ہے۔

ولما فتح المسلمون الفرس بعدها فتحوا دمیاط وتنیس ساروا الی بقارۃ فاسلم من بھا وساروا ومعھا الی الوراوۃ فدخل اھلھا فی الاسلام وما حولھا الی عسقلان۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو لوگ ایمان لائے

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں۔ یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سُن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو وہ دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہو گیا۱؎۔

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دارالسلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے ایک محلہ بنو نبہ کے نام سے آباد تھا۔ جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کیساتھ شامل تھے دوسرا محلہ بنو الازرق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اسقدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے چار سو بہادر شریک تھے تیسرا محلہ بنو روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یہودی تھے قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے۔ پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کیساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۲؎۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور عمرو بن العاص کیساتھ مصر آئے۱؎۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے۔ اور مسلمان ہو گئے تھے۳؎۔ مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اُتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے ان لوگوں کو تاکید تھی۔ کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مورخ طبری نے ۱۶ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کی مدد کی۔ جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۵؎۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد مجھول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور انکی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلہ میں سب مقدم قرآن شریف کی حفاظت اور اسکی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسکے متعلق جو کوششیں کیں۔ انکی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے

۱؎ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۶ ۲؎ اسکے متعلق پوری تفصیل مقریزی ۵؎ نمبر ۹۹ جلد اول میں ہے ۳؎ بلاذری صفحہ ۵۔ تیسری جلد صفحہ ۲۳۳۱

نہایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظم در گردن اوست"۔

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخے لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اسکی تعلیم کو رواج دینا جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کی تختیوں پر۔ لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا۔ اسلئے ابھی سے اسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا میں کیونکر کروں"۔ حضرت عمرؓ نے بار بار اسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہانتک کہ حضرت ابوبکرؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لیکر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اسکو آنحضرتؐ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں مرتب ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔ سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے۔ مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اترا ہے۔ اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنا دئے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی

۱؎ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۷۰ و ثقات ۱۲۔

بدوؤں کی جبری تعلیم

لکھنا نقلیم

تنخواہیں مقرر کیں۱؎ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔ مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم ماہوار تھیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کیلئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی، چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا۔ چند آدمیوں کیساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن شریف کا کوئی حصہ یاد نہ ہو سزا دے۲؎۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دیجائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں انکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم جب مجھ سے میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو۔ جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۳؎ ۔

صحابہ میں سے پانچ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابو ایوب، ابو الدرداء۔ ان میں خاصکر ابی بن کعب سید القراء تھے اور خود آنحضرتؐ نے اس باب میں انکی مدح کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔ ابو ایوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے جا نہ سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو صاحبوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ نے وہیں قیام کیا اور ابو درداء دمشق اور معاذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے معاذ بن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابو الدرداء حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔ ابو الدرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کو نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو الدرداءؓ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے۔ اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کر دیتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے۔ اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو الدرداء خود اس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے۔ ایک دن ابو الدرداء نے شمار کرایا۔ تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

تعلیم کا طریقہ

دمشق کی جامع مسجد کی تعلیم

۱؎ سیرۃ العمرین لابن جوزی بحوالہ ازالۃ الخفاء ... عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کتاب الاموال ... ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۲۰۲
۲؎ اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔ ۳؎ معجم البلدان لفظ حاضرۃ۔ معجم میں اس روایت کو حضرت ابو بکرؓ کے عہد کی نسبت لکھا ہے۔ لیکن خود صاحب معجم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے۔
۴؎ یہ تمام تفصیلیں کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں ہے۔ اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کیلئے ان تدبیروں کیساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے، ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، حج، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اسقدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں[1]۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں انکی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں[2]۔ بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا۔ اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو۔ تاکہ میں انکو قرآن کی تعلیم کیلئے جابجا بھیجوں تو سعد بن وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں[3]۔

تیسرا امر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ، اس کیلئے بھی نہایت اہتمام کیا اور در حقیقت سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کیساتھ نہیں ہوا تھا اسلئے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کیلئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کیساتھ صحت الفاظ و اعراب کی بھی تعلیم دی جائے ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں: تعلموا اعراب القرآن کما تتعلمون حفظه اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں: تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلمون القرآن۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کیساتھ ادب و عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ اور یہ انکی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "چنانکہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو الدرداء بشام و بمعاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند"۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ انکی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں کہ ان کے ذاتی حالات میں انکے

اشاعت قرآن سے متعلق تدابیر

حافظوں کی تعداد

صحت اعراب کی تدبیریں

ادب و عربیت کی تعلیم

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۳ [2] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷ [3] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷ [4] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸۔

فضل و کمال کا جہاں ذکر آئیگا ہم اسکے متعلق نہایت تفصیل سے کام لینگے +

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اسلئے حضرت عمرؓ نے اسکو اسقدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانیکے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں مسائل فقہیہ کی ترویج کیلئے جو تدبیریں اختیار کیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے حج کے خطبہ میں مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطا امام محمدؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے[1] اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پر اثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا۔ اس لئے اُن مسائل کا اسقدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہا نے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے عوامے میں جابجا نقل کیا ہے +

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جس کی تعیین میں مجتہدین آجتک مختلف ہیں۔ تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی کہ نا جائز ہے۔ سنہ ۱۴ھ میں جب نماز تراویح جماعت کیساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسران کو لکھا کہ ہر جگہ اسکے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذا کتاب الصدقۃ الخ قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ کو ایکدفعہ لکھا کہ میں نے سنا ہے مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا۔ کہ لا تکونوا من المسرفین لفطرکم زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المرءۃ لا تصوم تطوعا الا باذن زوجہا ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان الاھلۃ بعضہا اکبر من بعض اس طرح کی اور بہت سی بیشمار مثالیں ہیں۔ یہ بات بھی

مسائل فقہیہ میں اجتہاد

سوم اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے دو نمازوں کو جمع کرنیکی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی۔

[1] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۷ [2] موطا امام محمد صفحہ ۱۲۶۔

لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے اسلئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جنمیں اصحابؓ کا اختلاف تھا انکو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا[1] اکر غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدر وقد اختلفتم فمن بعدکم اشد اختلافاً یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں۔ تو آئندہ آنیوالی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی پاکر شائع کی گئی۔ جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور ایک متفق بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اسکا اعلان کر دیا گیا تھا۔ ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جسمیں یہ الفاظ تھے۔ انی اشہدکم علی امراء الامصار انی لم ابعثہم الا لیفقہوا الناس فی دینہم یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اسلئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اسکا لحاظ کیا جاتا تھا قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب کان اذا اجتمع الیہ جیش من اہل الایمان بعث علیہم رجلاً من اہل الفقہ والعلم یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ، سلمان فارسی، ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل وغیرہ کا نام پاتے ہیں۔ جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم وفضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث وفقہ میں اکثر انکا نام آتا ہے۔

(۴) تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اسوجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے مثلاً عبدالرحمن بن معقل کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں عمران بن الحصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے انکی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔ وکان ممن بعثہم عمر بن الخطاب الی اہل البصرۃ لیفقہہم یعنی

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۶

یہ ان لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کیلئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے ان ہی کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھلائی عبادہ بن الصامت کے سبق میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے انکو اور معاذ بن جبل اور ابو الدرداء کو شام میں بھیجا تاکہ لوگونکو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھلائیں جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاہرہ حبان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت نے انکو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا ان فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین علم نہایت کثرت سے انکے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڈھے بڈھے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے۔ اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے لیکن جب انکو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو کہا کہ معاذ بن جبل ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے ابو درداء جب مسجد میں آتے تھے تو انکے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا۔ جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اسکے قائم نہیں ہو سکتا تھا یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کیلئے انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء، عبادہ بن الصامت عبد الرحمن بن غنم، عمران حصین، عبد اللہ بن مغفل، تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے اس کی تصدیق کیلئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جنمیں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اسکے چند چند فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ بعد از عزم خلیفہ ہیچ چیزے مجال مخالفت نبود در جمیع ایں امور شد و ملد سے رفتند بادراں استطلاع رائے خلیفہ کا سے را قسم نے ساختند۔ لہذا دریں عصر اختلاف مذاہب و تشتت آراء واقع نشد ہمہ بر یک مذہب متفق و بہ یک راہ مجتمع چوں ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و علامت عامہ ظہور نمود علماء در ہر بلد سے مشغول بافادہ شدند ابن عباس در مکہ فتوے میدہد و عائشہ صدیقہ و عبد اللہ بن عمر در مدینہ حدیث

فقہا کی تنخواہیں معلمین فقہ کا امتحان

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ـــــ

سلہ تذکرة الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل

را روایت مے نمایند و ابوہریرہ اوقات خود را بر اکثار روایت حدیث مصروف بسازد بالجملہ دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیداشد بسبب آنکہ رائے بدیگرے اطلاع نہ۔ واگر اطلاع شد از اکراہ واقع نہ واگر مذاکرہ بمیان آمد ازاحت شبہ وخروج از مضیق اختلاف بقتضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایت علماء صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گذشتہ اند بغایت کمیابی و جمع کہ بعد ایام خلافت ماندہ از ہر جہ روایت کردہ اند۔ ہرچہ جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدق ایشان ثابت شود لازم۔ اما درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد شے حادث شدہ فرق ما بین السمٰوٰت والارض است[1]۔ یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔ ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے انکی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن جوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں:۔ ان عمر الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ[2]۔ موطا امام محمدؒ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کیلئے خاص اشخاص مقرر تھے۔[3] حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے۔ کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پاس پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے۔ حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔[4] چونکہ عہد خلافت میں بنفس نفیس حج کئے۔ اس لئے ہر طرح ہمیشہ خود ہوتے تھے۔ اور حجاج کی خبرگیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلے کیلئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اس قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کیجائے چنانچہ یہ مسجدیں آج تک بھی جامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں ہے۔ ایک جامع عمری بھی ہیں جو بیروت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنیکا شرف حاصل ہوا ہے محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی۔ اسکے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی۔ اسلئے [17]ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لیکر ڈھا دیئے اور انکی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ

عملی انتظام

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

مساجد کی تعمیر

حرم محترم کی وسعت

[1] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۴۰ [2] موطا امام مالک صفحہ ۱۴۰ [3] موطا امام محمدؒ صفحہ ۲۰۶ [4] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۹
[5] تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔

تھی اور اسلئے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے سات اور نو میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اُنکی تجدید کی صحابہ میں جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل ازہر بن عبد عوف، حویطب بن عبد العزیٰ سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کیلئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اسوجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دیکر لے لئے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا انہوں نے فیصلہ کیا حضرت عمرؓ کو بہ جبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کیلئے دیدیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانوں کو چھوڑ کر باقی جسقدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز کا تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جسطرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اب بھی لکڑی کے رہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کیساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جسکو بات چیت کرنی یا شعر پڑھنا ہو اُس کیلئے یہ جگہ ہے۔

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی انکی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا بھی انتظام کیا جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایکدفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک ٹوکرا آیا حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے تاکہ تمام مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ مؤذن کو حوالہ کیا وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور اُنکے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ نے ہی کیا لیکن یہ کوئی پرتکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہیں تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے

۱؎ الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۱۴۵ ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۴۹ ۳؎ فتوح البلدان صفحہ ۷ ۴؎ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۲ ۵؎ ایضاً ۱۳۴ ۶؎ خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۴۷ ۷؎ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

گرد و خاک میں آلودہ نہ ہوں ؎

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال او پر گذر چکا لیکن انکے علاوہ اور بہت سی جزئیات ہیں جن کیلئے جدا جدا عنوان نہیں قائم کئے جا سکتے اسلئے انکو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اسکی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کیلئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانہ تک کعب بن لوئی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اسکے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آجتک جاری ہے اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جسپر صرف شعبان کا لفظ تھا حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کیجائے چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اُسنے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اسکو ماہ روز کہتے ہیں اور اسمیں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دیجائے حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی سال میں دو مہینے آٹھ دن گذر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کو شروع سال سے سنہ[1] قائم کیا گیا ؎

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے کا فی الجملہ رواج تھا چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلے میں سترہ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے یہانتک کہ جب سنہ ۱۴ھ میں ابلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسکو حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلہ میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے ؎

سب سے مشکل اور پیچ در پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جنمیں ہر قسم کی

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۴۹۰ ۔ طبری صفحہ ۲۴۸۰ ؎

فوجیں بھی شامل تھیں جنکی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہیں ملتی تھیں مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اسکے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی، یعنی ہر ہر قبیلہ کا جُدا جُدا رجسٹر تھا اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم کی جاتی تھی اس صیغہ کے حساب کتاب کی درستی کیلئے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا، مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب مخرمہ بن نوفل جبیر بن مطعم کو بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب ابھی اس فن کو اسقدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا۔ زکوٰۃ صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ انکے رجسٹر نہایت تفصیل سے مرتب تھے جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالدؓ کی معزولی اسی بناء پر ہوئی[1] کہ وہ کاغذات کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولاء کی فتح میں جو سنہ ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لیکر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا[2]۔ زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے بارہا ملکوں کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اسکے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص صنعتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جسقدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں انکی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئیگا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جسقدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ اسوقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اسکو لپیٹ رکھتے تھے بعینہ اسطرح جسطرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتابہا اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانہ میں اسکے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جسنے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے[3] ثابت ہوتا ہے کہ اسکے موجد بھی فاروقؓ ہی ہیں۔ چنانچہ اس

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ تذکرہ خالد بن الولید [2] طبری صفحہ ۲۴۶۴ [3] دیکھو کتاب النقود الاسلامیہ علامہ مقریزی مطبوعہ مطبع جوائب سنہ ۱۲۹۸ھ صفحہ ۲ و ۵

مقریزی پھر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔ جب امیرالمومنین عمر خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو نقدی کے سکے کے معاملے میں کچھ دخل نہ دیا بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہے۔ ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اذا جاء نہر اللّٰہ بطل نہر معقل۔ حضرت عمرؓ نے اسی زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔

اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکے کے درہم جاری کئے جو نوشیروانی سکے کے مشابہ تھے البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر الحمد للّٰہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللّٰہ اور بعض پر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اسقدر عموماً مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ یعنی آٹھ دانگ کا بغلی، طبری چار دانگ کا، مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔

ذمی رعایا کے حقوق!

حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے اگر اس کا مقابلہ اس زمانہ کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم اور فارس تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک جدید کو جو ان پر مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض عالی کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھی۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتہً وہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیئے گئے ان کے لحاظ سے

۱ مقریزی جلد اول صفحہ ۱۴ ۲ الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۲۶ ۳ ذمی وہ غیر مذہب کی رعایا ہے جو مسلمان نہ تھی لیکن ممالک اسلامیہ میں سکونت رکھتی تھی۔

وہ گویا رعایا نہیں رہے بلکہ ایک قسم کا تعلق رہ گیا۔ جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو عہدنامے لکھے گئے ہم انکو اس مقام پر بعینہٖ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوگی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملیگا کہ یورپ نے باوجود دعوے تہذیب اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو نہیں دیئے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل محض کا باعث تھا اسلئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور انکے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

هذا ما اعطی عبد الله عمر امیر المؤمنین اهل ایلیا من الامان اعطاهم امانا لانفسهم واموالهم ولکنائسهم وصلبانهم وسقیمها وبریئها وسائر ملتها انه لا تسکن کنائسهم ولا تهدم ولا ینتقص منها ولا من حیزها ولا من صلیبهم ولا من شیٔ من اموالهم ولا یکرهون علی دینهم ولا یضار احد منهم ولا یسکن بایلیا معهم احد من الیهود وعلی اهل ایلیا ان یعطوا الجزیة کما یعطی اهل المدائن وعلیهم ان یخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فهو امن وعلیه مثل اهل ایلیا من الجزیة ومن احب من اهل ایلیا ان یسیر بنفسه وماله مع الروم ویخلی بیعهم وصلبهم حتی یبلغوا مامنهم وعلی ما فی هذا الکتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة المؤمنین اذا اعطوا الذی علیهم من الجزیة شهد علی ذلک خالد بن الولید وعمرو بن العاص وعبد الرحمن بن عوف ومعاویة بن ابی سفیان وکتب وحضر سنة ۱۵ھ۔

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان انکی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور انکے تمام مذہب والوں کیلئے ہے۔ اس طرح پر کہ انکے گرجاؤں میں نہ سکونت کیجائیگی نہ وہ ڈھائے جائینگے نہ انکو نہ انکے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائیگا۔ نہ انکی صلیبوں اور انکے مال میں کچھ کمی کیجائیگی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائیگا۔ نہ ان میں کسی کو نقصان پہنچایا جائیگا۔ ایلیا میں انکے ساتھ یہودی نہ رہنے پائینگے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلیگا اسکی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اسکو بھی امن ہے اور اسکو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لیکر یونانیوں کیساتھ چلا جانا چاہے تو انکو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول خدا کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن ولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اور یہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ ایلیا والوں کی جان و مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے

کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہیں تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں آگئے۔ اور گرجوں کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائینگے نہ انکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ نہ انکے احاطوں میں دست اندازی کیجائیگی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے۔ یہ کہ [illegible] عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے صلیب دیکر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اسلئے انکی خاطر سے یہ شرط منظور کی تھی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی باوجودیکہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے تاہم انکے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نکل جانا چاہیں تو نکل جا سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں انکو امن حاصل ہوگا اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اسپر بھی انسے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوح ملک کیساتھ اس سے بڑھکر انصاف برتاؤ کر سکتی ہے۔ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اسکے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دیدیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جسکا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اس نے اسکو قتل کر ڈالا۔ مال و جائداد کے متعلق انکے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضہ میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے انکے قبضہ میں تھیں یہانتک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کیساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

مالگزاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں اس میں سختی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تو دس شخص کوفہ اور دس شخص بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔[1] وفات سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔[2] ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی میں انکو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اہم انتظامات

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے قال شہدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث او اربع وقفا علی حذیفة بن الیمان وعثمان بن حنیف وهو یقول لهما لعلکما حملتما الارض ما لا تطیق۔

ہیں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور انکے استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مالگذاری کے حالات دریافت کئے مصر میں جو انتظام کیا۔ اس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔ جان و مال اور جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کیساتھ انکی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اسکی زراعت کو اہل فوج نے پامال کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے دس ہزار درہم اسکو معاوضے میں دلوائے۔ خود بالمشافہ لوگوں کو اسکی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور انکے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا۔ اسلیئے انکو سزا دیجاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر انکا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "ناداری"۔ فرمایا کہ چھوڑ دو اور انکو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبہم اللہ یوم القیامۃ۔ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائیگا۔ حضرت ابو عبیدہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:-

ذمیوں کی غور و پرداخت کا لحاظ

وامنع المسلمین من ظلمہم والاضرار بہم و اکل اموالہم الا بحلہا ووف لہم بشرطہم الذی شرطت لہم فی جمیع ما اعطیتہم

مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ انکو نقصان پہنچانے پائیں نہ ان کا مال بیوجہ کھانے پائیں اور جسقدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب وفا کرو۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کیلئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اس کا اخیر فقرہ یہ ہے:-

واوصیہ بذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ان یوفی لہم بعہدہم وان یقاتل من ورائہم وان لا یکلفوا فوق طاقتہم

یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جنکو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے یعنی ذمی کہ انسے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے، ان کی حمایت میں لڑا جائے اور انکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے۔

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔ غرفہ ایک صحابی تھے۔ انکے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی۔ غرفہ نے اسکے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جاکر شکایت کی انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور بازپرس کی۔ غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہا ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ غرفہ نے کہا نعوذ باللہ انکو یہ اجازت ہرگز نہیں دیگئی ہے کہ رسول اللہ کو علانیہ گالیاں دیں ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر

۱؎ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۶ ۲؎ کتاب الخراج صفحہ ۷۰ ۳؎ کتاب الخراج صفحہ ۸۲ ۴؎ صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ

کبھی دشمن چڑھ آئے تو ہم انکی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جسکے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ صحیح ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کسقدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے علانیہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے انکے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ۲۰ھ میں اسکو تحریری امان لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اسکو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب صفحہ ۴۹۲ جلد اول میں واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور معاہدات میں اور امور کیساتھ مذہبی آزادی کا خاص بھی التزام کیساتھ درج کیا جاتا تھا چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے:۔

لا یغیرون عن ملة ولا یحال بینھم وبین شرائعھم[۱]	ان کا مذہب بدلا جائیگا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا:۔

لھم الامان علی انفسھم واموالھم ومللھم وشرائعھم ولا یغیر شیٴ من ذالک[۲]	ان کے جان و مال اور مذہب شریعت کو امان ہے۔ اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائیگا۔

آذربائیجان کے معاہدے میں یہ تصریح تھی:۔

الامان علی انفسھم واموالھم ومللھم وشرائعھم	جان و مال، مذہب شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدے میں یہ الفاظ تھے:۔

الامان علی اموالھم وانفسھم وملتھم وشرائعھم	جان و مال، مذہب و شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے انکا فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعہ سے ممکن تھا یہ خیال ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وسق انکا ایک عیسائی غلام تھا اسکو ہمیشہ مذہب اسلام قبول کرنیکی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اسنے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق

۱ اسد الغابہ تذکرہ عرفجہ ۱۲ ۲ طبری صفحہ ۲۶۴۲ ۳ طبری صفحہ ۲۶۵۸ ۴ طبری صفحہ ۲۶۶۲

کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اُسکے قصاص میں قتل کیا جاتا تھا مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے۔ ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا اسکے مقابلہ میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کیجاتی تھی جسکی مقدار دونوں سے زیادہ تھی اسکے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا تھا البتہ اسکی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی۔ بیت المال سے والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اسمیں برابر کے شریک تھے سب سے بڑھکر یہ اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ جو یہ قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت اور مزدوری سے معاش نہیں پیدا کر سکتا تھا بیت المال سے اسکا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کیساتھ بھی مرعی تھی۔ اوّل اوّل یہ قاعدہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح میں معاہدہ کیا اسمیں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام . فان خرجوا الى غير دار الهجرة ودار الاسلام فليس على المسلمين النفقة عليهم۱ ۔

اور میں نے انکو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اسپر کوئی آفت آجائے یا پہلے دولتمند تھا اور پھر غریب ہو گیا اس وجہ سے اسکے ہم مذہب اسکو خیرات دینے لگے تو اسکا جزیہ موقوف ہو جائیگا اور اسکو اور اسکی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائیگا جبتک وہ مسلمانوں کے ملک میں ہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اسکا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اسکو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا۔ یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت انما الصدقات للفقرآء والمساکین صدقہ اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہے، اسمیں فقرا کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یعنی ذمی اور عیسائی مراد ہیں اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایکدفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیرکہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اسنے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھکو ادا کرنیکا مقدور نہیں حضرت عمرؓ اسکو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کیلئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اسی واقعہ میں آیت مذکور کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ والله انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے متمتع ہوں اور بڑھاپے میں انکو نکالدیں۲۔ ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استحفاظ تھا۔ جسقدر مسلمانوں کی عزت و ناموس کا۔ انکی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا

۱ کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد پنجم صفحہ ۳۲۹ ۲ کتاب الخراج صفحہ ۸۵ ۳ کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

جاتا تھا عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی اُن کا ہمسر نہ تھا۔ بیدفعہ انکے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اسپر اسکو اسقدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں آکر نوکری سے استعفا دیدیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی[1]۔

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ اگر ذمیوں نے کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی انکے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آجکل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعویٰ ہے۔ رعایا کیساتھ انکی تمام عنایات اسیوقت تک ہیں۔ کہ جبتک انکی طرف سے کوئی پولٹیکل شبہ نہ پیدا ہو۔ ورنہ دفعتہً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے جل جاتی ہے۔ اور ایسا خونخوار اور پُرغیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اسکے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت میں جادۂ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جسکا نام عربسوس تھا اور جسکی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا۔ اور صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن یہاں کے لوگ در پردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں انکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے انکی کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جسقدر انکی جائداد زمین مویشی اور اسباب ہے سب شمار کرکے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دیدو اور انسے کہدو کہ کہیں چلے جائیں اگر اسپر راضی نہ ہوں تو ایک برس کی مہلت دو اور اسکے بعد جلا وطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی تھی۔ کیا آجکل کوئی قوم اس درگذر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے۔ ذمیوں کیساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھیں اسکا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کیلئے رسد بہم پہنچاتے تھے۔ لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام و صرف سے سڑک اور پل تیار کراتے تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنیکے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ جبتک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قسم تم رومیوں کی نسبت کہیں ہم کو بڑھ کر محبوب ہو۔

[1] دیکھو ازالۃ الخفا ۲۰۳ و فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۷۔

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتا دینا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ ناانصافانہ سلوک کیئے اس مسئلہ کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں لمبی ٹوپیاں پہنیں گھوڑوں پر کاٹھی کسیں نئی عبادتگاہیں نہ بنائیں اور شراب و سور نہ بیچیں ناقوس نہ بجائیں صلیب نہ نکالیں، بنو تغلب کا یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ امر زائد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک عیسائی یا یہودی کو نہ رہنے دیا۔ اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلاوطن کر دیئے۔

بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم انکے جواب دینے میں کسیقدر تفصیل سے کام لینگے۔ کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرہ پر بہت سے پردے ڈالدیئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قومی خصوصیت کا قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کی تاکید کی تھی آیا وہی ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا؟ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمرؓ کا معاہدہ جسکو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا ہے اگرچہ راویوں نے اسکو بہت کم و بیش کر دیا ہے تاہم جا بجا ذمیوں کی طرف سے اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنینگے۔ یہ الفاظ بھی ہیں وان نلزم زینا حیث ما کنا یعنی ہم وہی لباس پہنینگے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ زنار جسکا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اسکی نسبت ہمارے فقہا نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ انکا خیال ہے کہ وہ انگلی برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا ہے اور اس سے ذمیوں کی تحقیر منظور تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنار کے معنی پیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آجکل بھی اسی معنی میں مستعمل ہے پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مرادف الفاظ ہیں۔ ان دونوں لفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے کنز العمال میں بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا ولتلزموھم المناطق یعنی الزنانیر[1] اسی زنار کو کستیج بھی کہتے ہیں چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں زنار کی بجائے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے بہرحال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب المروج الذہب میں لکھی ہے یہ قطعی دلیل اس بات کی ہے کہ یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا لطف یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کیلئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۰۲

قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیاں جو رسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جنکا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے۔ اس ساری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی اور وہی زنار یا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی مقصود یہ کہ اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس حضرت عمرؓ نے ذمیوں کیلئے تجویز کیا تھا اگر وہ کوئی جدید لباس تھا اور انکی تحقیر کیلئے ایجاد کیا گیا تھا تو منصور خلیفہ اسکو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

ذمیوں کو نئی عبادتگاہیں بنانے، شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے، اصطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مورخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔ صلیب کی نسبت معاہدہ میں جو الفاظ تھے اسمیں یہ قید تھی ولا یرفعوا فی نادی اھل الاسلام صلیبا یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔ ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی۔ یضربوا نواقیسھم فی ای ساعة شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰة یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے۔ سور کی نسبت یہ الفاظ تھے۔ ولا یخرجوا خنزیرا من منازلھم الی افنیة المسلمین یعنی ذمی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کسکو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا۔ بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جا سکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یعنی تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے۔ عیسائیوں کا دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ دیتے ہیں۔ اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائیں بعینہ جسطرح ہم مسلمانوں میں بچوں کا ختنہ کیا جاتا ہے بے شبہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ اس زمانہ میں ایک سوال پیدا ہوا تھا یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مر جائے تو اسکی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائیگی یعنی وہ مسلمان سمجھی جائیگی۔ یا اُنکے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ انکو اصطباغ دیکر عیسائی بنا لیں۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت خاص کیلئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے انکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنا لیں۔ اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب اسکا باپ مسلمان ہو گیا تو اسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی۔ علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں: علی ان لا ینصروا ولیدا[2] ممن اسلم آباؤھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے انکی اولاد کو عیسائی

۱؎ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔ ۲؎ کتاب مذکور صفحہ ۱۰۷۔ ۳؎ کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔ ۴؎ کتاب الخراج صفحہ ۸۴۔

بنا سکیں ایک دوسری دفعہ پر یہ الفاظ ہیں[1]۔ ان لا ینصرا اولادھم اذا اسلم اباءھم۔

یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیوں سخت کیا لیکن جواب یہ ہے کہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اسلئے انکی حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا بلکہ علامہ طبری[2] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کئے تھے۔

اب ہر شخص یہ انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کیلئے عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سؤر نہ لائیں خاص نماز کیوقت ناقوس نہ بجائیں نو مسلم عیسائیوں کی اولاد اصطباغ نہ دیں تو کیا کوئی شخص تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا بلکہ قدماء میں بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے۔ روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اسکا کچھ خیال نہ کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اسقدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا۔ اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لئے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنیکا معاملہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جسوقت مناسب ہوگا تمکو یہاں سے نکال دیا جائیگا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انکی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبد اللہ بن عمرؓ کو ایکدفعہ بالاخانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے انکے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر انکی شرارتیں بیان کیں اور پھر انکو عرب سے نکال دیا[3] چنانچہ صحیح بخاری کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسیقدر تفصیل سے مذکور ہے۔ نجران کے عیسائی یمن اور اسکے اطراف میں رہتے تھے اور انسے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس وجہ سے انکو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں[4]۔

غرض یہ تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹیکل ضرورتوں کیوجہ سے جلاوطن کئے گئے اور اسوجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت انکے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقفکار شخص کو بھیجا کہ انکی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت

[1] طبری صفحہ ۲۴۸۲ [2] طبری صفحہ ۲۵۱۰ [3] طبری صفحہ ۲۵۰۹ [4] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۶۵ و کتاب الخراج صفحہ ۲۶ [5] کتاب الخراج صفحہ ۴۲۔

عمرؓ نے انکو بیت المال سے دلوادی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی انکی زمین کی قیمت دلوادی۔[1] نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو انکے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں اُن کو امن کا پروانہ دیا۔ اسمیں یہ شرطیں لکھیں۔ عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افسر انکی آبادی اور زراعت کیلئے انکو زمین دیں۔ جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائیں وہ انکی مدد کریں ۲۴ مہینہ تک اُنسے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔ اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدے کو بالفاظہا نقل کیا ہے۔[2] ایک ایسی قوم جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اسکے ساتھ اس سے بڑھکر اور کیا رعایت کیجاسکتی ہے اب صرف جزیہ کا معاملہ رہجاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ مستقل رسالہ لکھا ہے اور تین زبانوں (اردو، انگریزی، عربی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضرور ہے۔ جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ البسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی گنجائش نہیں رہی۔ اول اُنھوں نے نوشیروان کیطرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتادیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے اسکے علاوہ موقعہ بموقعہ عملی طور سے اسبات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے اس کتاب کے پہلے حصہ میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پُرخطر معرکے پیش آنیکی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں میں ہٹ آئیں اور انکو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے جزیہ وصول کیجکے تھے یعنی حمص دمشق وغیرہ۔ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اُٹھا سکتے تو جزیہ سے جسقدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہدیا کہ اسوقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اسلئے جزیہ کا بھی کوئی حق ہمکو نہیں ہے[3] اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لیگئی انکو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ خود حضرت عمرؓ نے ۲۱ھ میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ:-

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ — یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو

ویرفعوا عنھم الجزاء[4] — اس سے مدد لو اور اُنکا جزیہ چھوڑ دو۔

یہانتک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایکدفعہ مسلمانوں کیساتھ شرکت کی اس سال کا جزیہ اس کیلئے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ھ میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھدیا گیا۔[5]

ومن حشر منھم فی سنۃ فموضع عنہ جزاء تلک السنۃ یعنی جو لوگ کسی سال فوج کیساتھ کام دینگے اس سال کا جزیہ اُنسے نہیں لیا جائیگا

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۔ [2] فتوح صفحہ ۶۴۔ [3] طبری صفحہ ۲۶۴۹۔ [4] طبری صفحہ ۲۴۹۷۔ [5] طبری صفحہ ۲۶۶۲

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے:۔

وعلی اھل آرمینیۃ ان ینفروا لکل غارۃ وینفذوا لکل امر ناب اولم ینب راہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء[۱]

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی[۲]۔

ان لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علی ان علیکم من الجزاء فی کل سنۃ علی قدر طاقتکم ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاءہ فی معونتہ عوضا عن جزائہ۔

یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے، اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت لینگے۔ تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائیگا۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے معاہدوں سے، طرزِ عمل سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

جزیہ کا مصرف فوجی مصارف پر محدود تھا یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کیلئے خوراک، لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اس کیساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا جس میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی۔ لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ دیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور بجائے دو دینار کی بجائے چار دینار لئے جانے لگے۔

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اسکے رواج کو کم کر دیا اور جسقدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں تو انہوں نے سرے سے اسکا استیصال کر دیا اور اس میں انکو اسقدر اہتمام تھا کہ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کیساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اسکے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا قول ہے کہ:۔ لا یسترق عربی یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا[۳]۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فن نے انکے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذھب الی قول عمر لیس علی عربی ملک[۴]۔ یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے

۱ طبری صفحہ ۲۶۶۵ ۲ فتوح البلدان صفحہ ۳۱۷ ۳ کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے ۴ دیکھو کتاب مذکور جلد دوم صفحہ ۳۱۲۔

یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہلِ فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ انکی تمام رعایا انکی غلامی میں دیدیجائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی لیکن غلامی کیلئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا اسلیئے وہ تمام اہل فوج کیخلاف نہیں کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا جسقدر ممالک انکے زمانے میں فتح ہوئے انکی وسعت کئی ہزار میل تھی جسمیں کروڑوں آدمی بستے تھے لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی وہ غلام بنائے گئے جو معرکۂ جنگ میں شریک تھے عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا۔ یہانتک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بناکر عرب میں بھیجدیئے گئے تو حضرت عمرؓ نے سبکو جابجا سے جمع کرکے مصر کو واپس بھیجدیا کہ انکو غلام بنانا جائز نہ تھا چنانچہ مورخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے[۱] شام کے شہروں میں سے بعض محل نبریہ، دمشق، حمص، حمات، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیسایہ ایک جگہ ہے جہاں اسیرانِ جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خراسان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھدیئے گئے تھے۔ کہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ ہوگا۔

سامنان، جندمی، سابو، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لایسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائینگے۔ مناذر میں باوجود اسکے کہ فوج نے اسیرانِ جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ کو حکم پہنچا کہ انکو چھوڑ دو۔ اور خراج و جزیہ مقرر کرو[۲]۔ ابوموسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[۳]۔ حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی جسکا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے انسے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھدے کہ اتنی مدت میں اسقدر روپیہ ادا کرونگا جب وہ زر معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن میں بھی موجود ہے۔ فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا لیکن فقہا اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدے کو قبول کرے یا نکرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انس کے غلام شیرین نے مکاتب کی درخواست

[۱] منتقی الاخبار ابن تیمیہ [۲] مقریزی صفحہ ۱۶۲ [۳] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۷ - کنز العمال صفحہ ۳۱۲ جلد دوم

کی۔ انس نے انکار کیا۔ شبیر بن حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو دُرّے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس کو مجبوراً ماننا پڑا۔

اس موقعہ پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں انکے بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کیساتھ ایسا سلوک جائز نہیں ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دیجائیں اور انسے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود انکو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابوبکرؓ کو ایک عبداللہ ابن عمرؓ کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جسکو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اسکے حوالے سے نقل کر دی۔ لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی اور بلاذری ابن[1] وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ تاریخی قرائن اسکے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد معہ تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے۔ تو وہ اصفہان بھاگ گیا۔ اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچکر ۳۱ھ میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اسکے آل و اولاد گرفتار ہوئے ہونگے۔ تو اسیوقت گرفتار ہوئے ہونگے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔ اسکے علاوہ جسوقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر ۱۱ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے۔ اور فارس ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ اسلئے یہ امر بھی کسیقدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے انکی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی۔ اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کہ کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلّم طور پر ثابت ہے انہیں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا۔ اور آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے۔ عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اول بلبیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جسکا نام ارمانوسہ تھا یہیں مقیم تھی وہ بھی گرفتار ہوئی۔ عمرو بن العاص نے اسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیجدیا۔ اور مزید احتیاط کیلئے اپنے ایک سردار کو جسکا نام قیس بن ابی العاص سہمی

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۸۱

تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کیساتھ پہنچا آئے [1]۔

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کیلئے کئے۔ لیکن جو لوگ غلام بنائے گئے تھے اُن کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجہ تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو اُنکے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمال ہوتے تھے، انکی نسبت وہ اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کیساتھ اسکا برتاؤ کیا ہے چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر اسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کیساتھ کھانے سے انکار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائیگی اور فوج کو اس کا پابند ہونا ہوگا۔ چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے۔ ان عبد المسلمین من المسلمین وذمتہ من ذمتھم یجوز امانہ [2]۔ غلاموں کیلئے جو بڑی تکلیف کی بات تھی یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا۔ بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی۔ آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں وہ اسی واقعہ کو درد انگیز صورت میں دکھاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے۔ باپ بیٹے، بھائی بہن، ماں بیٹیاں بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں اُنکے جو احکام ہیں۔ ان کو کنز العمال میں مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں:۔

لا یفرق بین اخوین اذا بیعا	یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے
لا تفرق بین الام وولدھا	یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے۔
لا یفرق بین السبایا واولادھن	یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کئے جائیں

حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا وتقطعوا ارحامکم اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے [3]۔

حضرت عمرؓ نے جب سمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور انکے بیٹے شرجیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا۔ تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں

[1] طبری صفحہ ۲۷۰۵ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴۶ [3] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۲۶۔

ہوتے تھے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اسکا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوگئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اور جنکو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جنکی روایت کے سلسلہ کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔ علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکرؓ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمرؓ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قبول عزت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا۔ بیشبہ قاسم و سالم و امام زین العابدین کا نام اس سلسلہ میں لینا بے ادبی خیال کرتا ہوں کہ فضل و کمال نے اس مسئلہ پر اثر کیا لیکن اگر حضرت عمرؓ نے امہات اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنیکا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔ ان سب باتوں کیساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدانخواستہ انکو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کیساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق آنحضرت ﷺ کے جو افعال و اقوال لکھے ہیں۔ ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر۔ عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروقی بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک اور مختلف مذاہب مختلف قومیں اسکے دائرہ میں داخل ہیں۔ لیکن اس سرے سے اس سرے تک ہر طرح امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گذرے ہیں جنکی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن ان کی یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعتہً انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے وحشیانہ سزائیں دیجائیں، آبادیاں جلاکر برباد کردیجائیں۔ یہ اصول قدیم زمانہ تک محدود نہ تھے

لہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۶۔ ان واقعات کو ہم نے ذمیوں کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھا ہے، وہیں اور کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ عربسوس والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو انکو جلاوطن کیا، لیکن اس طرح کہ انکی جائداد و مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کر ایک ایک چیز کی دگنی قیمت ادا کر دی۔ نجران کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور چالیس ہزار آدمی بہم پہنچائے تو انکو عرب سے نکالکر دوسرے مقام پر آباد کرایا۔ مگر اس رعایت کیساتھ کہ انکی جائداد وغیرہ کی قیمت دیدی۔ اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر جدھر انکا گذر ہو انکے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب کہیں مستقل قیام کریں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔[1]

شاید تمکو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو رعایا ایسی اتفاق آگئی تھی جسمیں زیادہ تر اطاعت اور انقیاد کا مادہ تھا۔ اور اسلئے انکو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ حضرت عمرؓ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ غیر قوموں میں جو حلقۂ اطاعت میں آئی تھیں پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں۔ اور اسلئے انکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے۔ جو حضرت عمرؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مولفۃ القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنی ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر کسی میں نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایکدفعہ حضرت عمرؓ نے انکو خراج کے معاملہ میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے جاہلیت میں میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پہ لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔ بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ انکے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔ "زبیر و جمعے از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ ہا بکار می بردند"[2]

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی۔ اسکے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خود سری تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمرؓ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خودسری کو مٹا کر حکومت کا رعب داب قائم رکھتے تو چنداں تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ اور

[1] ان واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق کے درمیان میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

[2] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۲۵۔

جھکاتے تھے۔ بارہا مجامع عام میں لوگ اُن پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے۔ شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اُٹھ کر کہا[1]:۔

والله ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملا استعمله رسول الله وغمدت سیفا سله رسول الله ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم۔

یعنی اے عمر خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا۔ تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سنکر صرف یہ کہا کہ تمکو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔ ان حالات کیساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اسوقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا۔ اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے۔ امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے نام سے انکو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبد اللہ نے ایک شخص کو بیوجہ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے سامنے انکو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کئے۔ سعد وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جوابدہی میں طلب کیا تو انکو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ اُن کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا ایک مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہوگیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اسکے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اسنے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکی شکایت سنکر کہا کہ تمنے جو کچھ کیا اسکی سزا پائی۔ اسکو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اسنے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جسمیں شریف و رذیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اسکی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ داران ملکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا۔ اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال

[1] اسد الغابہ تذکرۂ احمد بن حفص المخزومی ۱۲

موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو درّے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ عمرو بن العاص نے کہا امیر المؤمنین! اس طریق عمل سے تمام عمال بیدل ہو جائینگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تاہم ایسا ضرور ہوگا۔ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ اپنا کام کر۔ عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوٰی سے باز آئے۔[1]

ایک دفعہ سرداران قریش اُن کی ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اوّل انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے۔ ان کو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیوں سے خطاب کرکے کہا کہ کیا خدا کی قدرت ہے۔ غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ اور ہم لوگ باہر انتظار کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے۔ ایک نے کہا۔ بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمرؓ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔ قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تو بڑے رشک و منافرت کا موقعہ پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقعہ پر امتیاز کے خوگر تھے بڑے دعوٰی کیساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائیگا۔ اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے خیالات سب غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت، جاہ، زور، قوت، ناموری و شہرت، اعزاز، امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں کم و بیش مقرر کیں۔ جو لوگ اوّل اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے۔ یا آنحضرتؐ کیساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ انکو غیروں پر ترجیح دی۔ جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے۔ ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا میں بھی کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔[2] اسی موقعہ پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا واللہ اسامہ مجھ سے کسی موقعہ پر آگے نہیں رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] اسد الغابہ تذکرہ سہیل بن عمرو ۱۲

کیلئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں انکو سخت سزا دیجائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلہ سے تھا۔ لڑائی میں یا آل ضبہ کا نعرہ مارا حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کیلئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ انکے پاس گئے۔ تو انہوں نے تعظیم کیلئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی سبب تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر میں جلوت و خلوت میں، مکان و بازار میں۔ کوئی انکو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشہ میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے۔ جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا۔ اس لئے عام ملک پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے۔ وہ روز بروز معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خود رائی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا۔ کہ قبائل عرب جو انہی بیہودہ مفاخر کی بنا پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا۔ انکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

اس موقعہ پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصول مساوات کیساتھ اپنے لئے امیر المؤمنین کا پُر فخر لقب کیونکر ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے۔ کہ اس زمانہ تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفار عرب آنحضرت صلعم کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی[۱]

[۱] مقدمہ ابن خلدون فصل اللقب امیر المومنین

کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرنے کے وقت یہ کہا۔ کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کرو۔ عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی انھوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔[1] اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہاتھ نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے حضرت عمرؓ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمرؓ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارِ گراں انکے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا ایسے وقت میں انکی راستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہہ دیا۔

لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم واقواکم علیکم واشدکم اضطلاعاً بما ینوب من مھم امرکم ما تولیت ذالک منکم[2] — یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی۔ کہ میں تم لوگوں کیلئے سب سے زیادہ کارآمد سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کیلئے سب سے زیادہ قوی بازو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کئے ہیں:۔

لو علمت ان احداً اقوی علی ھذا الامر منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی — یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کیلئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی نسبت میرے نزدیک یہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔[3]

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے

حضرت عمرؓ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک دائرۂ خلافت میں داخل تھے انکی اصلی تین قسمیں تھیں، عرب، ایران، شام و مصر اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں، عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا۔ اس لئے انکی پولیٹیکل تنخواہیں قائم کر دیں۔ جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ رؤساء عراق میں سے ابن النخیرجان، اسطام بن نرسی، رفیل، خالد، جمیل کے معقول روزینے مقرر کر دیئے۔ شام و مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائداد نہیں چھوڑا تھا اسلئے انکی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کیساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انھوں نے بارہا کہا کہ ہم مسلمان رومیوں کی بہ نسبت

[1] امام بخاری کی کتاب الادب المفرد مطبوعہ مطبع آرہ صفحہ ۱۴۸۔ [2] انساب الاشراف بلاذری۔ [3] مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۱۲۴

زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کیساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً بہت فیاضانہ تھا چنانچہ اسکی بحث ذمیوں کے حقوق میں گذر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر میں مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کیساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا اور اس کیوجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہوگئی۔ ان باتوں پر کبھی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیئے۔ یا فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا۔ اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام و مصر تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی غرض سے قائم کی گئی تھیں۔ خاص عرب میں انکو مختلف پولٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا۔ جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسروں میں سے جسکی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے۔ انکو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایکدفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی۔ تو فرمایا آپ لوگ بہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا انخرجوا تنسالوا یمینا و شمالا ایکدفعہ عبد الرحمن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں۔ فرمایا اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے۔ صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا۔ پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے۔ اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔ اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے۔ جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، چونکہ مہمات ملکی کا انجام دینے کیلئے ان لوگوں سے بڑھکر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ انکی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا۔ جو انکو دبا سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں جو ہنگامے برپا ہوئے وہ سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔ سیاست اور پالٹیکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اس بات میں تمام دنیا میں جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالٹیکس کی ضرورت سے زیادہ جو جو کام کئے ان کا واقعی نام خدع، مکر، فریب، ظاہرداری اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے ریفارمر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ خالد کو معزول

کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا۔
انی لم اعزل خالدا عن سخطة ولا خیانة یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں موقوف نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے
ولکن الناس فتنوا به فخفت ان یوکلوا الیه کہ لوگ انکی طرف بہت مائل ہوتے جاتے تھے اسلئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کرلیں"

مثنیٰ کی معزولی کی بابت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا لم اعزلهما عن ريبة ولكن الناس عظموهما فخشیت ان یوکلوا الیهما۔ ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اسکی وجہ بیان کردی۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقعہ پر اس کی تفصیل آئیگی۔ حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور انکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزون پُرزے استعمال کئے تھے۔ یہ عموماً مسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت ان میں سب سے بڑھکر تھی اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب میں قابل آدمیوں اور اُن کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی۔ اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے انکو مناسب عہدے دیتے تھے۔ سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔ چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔ جنگی خدمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد بن وقاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدیکرب اور طلیحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دیا کہ انکو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت و عبداللہ بن ارقم انشا و تحریر میں مستثنیٰ تھے۔ انکو میر منشی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبداللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے۔ انکو قضا کی خدمت دی۔ غرض جسکو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مؤرخوں نے بھی کیا ہے۔ ایک مشہور عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ عمرؓ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رو رعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا۔ سب سے بڑی چیز جس نے انکی حکومت کو مقبول عام بنادیا اور جس کی وجہ سے اہل عرب اُنکے سخت احکام کو بھی گوارا کرلیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست و دشمن کی تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے۔ لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کیساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ ان کے بیٹے ابو شحمہؓ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ان کو اسّی کوڑے مارے اور

بے لاگ عدل و انصاف

ابو شحمہ کے قصہ میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو شرعی سزا دی۔ اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر

اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو اسی درّے لگوائے۔ حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں انکو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشر، دفتر، رسد، کاغذات حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا۔ اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا ارادہ کیا۔ تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے انکے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا سلاطین عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیروان نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات و بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے:۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

وهي الوضائع التي اقتدى بها عمر بن الخطاب حين افتتح بلاد الفرس

یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتدا کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے۔ علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر و ہم پایہ تھا، تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے۔ اس میں جہاں حضرت عمرؓ کے انتظامات ملکی کا ذکر ہے۔ لکھا ہے:۔

وكان عمر يكثر الخلوة بقوم من الفرس يقرؤن عليه سياسات الملوك ولا سيما ملوك العجم الفضلاء وسيما انوشيروان فانه كان معجبا بها كثير الاقتداء عليها

یعنی عمر فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے یہ لوگ ان بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیروان کے اس لئے کہ نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور انکی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اسکو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورے لیتے۔ حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی۔ کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جنکی وجہ سے ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں:۔

وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمله كتب اليه من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزة من اجيز فيها

یعنی عمرؓ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب کی تحریری اطلاعیں ان کو پہنچیں۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدیکرب کو دوسرا حصہ نہیں دیا۔ عمرو معدیکرب نے وجہ پوچھی، اُنہوں نے کہا تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اسلئے اس کا حصہ کم ہو گیا۔ معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا، بولے کہ ہاں دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی۔ عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا:-

لعل امیر المومنین یسوءہ ۔۔۔ غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ بُرا مانیں گے

تنادمنا بالجوسق المتھدم ۔۔۔ کہ ہم لوگ محلوں میں ندمانہ صحبتیں رکھتے تھے

حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی اور اُن کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو یہ تمہاری حرکت ناگوار معلوم ہوئی۔ صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عہد نبوت میں آنحضرتؐ کے محرم راز تھے، اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایکدن اُنسے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عہدیداروں میں بھی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں ایک شخص ہے۔ حضرت عمرؓ نے نام پوچھا، لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے اسکو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں:-

وکانوا لایحدثون شیئا ولایاتونہ الا وامرہ فیہ[۱] ۔۔۔ یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ:-

لقد ھممت ان لا ادع فیھا صفراء ولا بیضاء الا قسمتہ[۲] ۔۔۔ یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کر دوں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین اس میں میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے۔ کیونکہ میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے لیکن غنیمت کا مال ہے۔ تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا۔ وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔ شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایکدفعہ ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی

[۱] طبری صفحہ ۲۷۵۲ [۲] اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان [۳] طبری صفحہ ۲۰۸ [۴] صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ۔

زوجہ نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں۔ اُسنے اسکے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا۔ وہ سرکاری تھا اور اسکے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کیئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لیکر بیت المال میں داخل کر دیئے[1]۔ اور ان کو کچھ معاوضہ دیدیا۔ ایک دفعہ بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا شہد لے لوں۔ اس کارروائی سے مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانۂ عامرہ پر خلیفۂ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔ خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ بسر کرتے تھے۔ خلافت کی مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں۔ اور کہا کہ بیت المال میں سے کس قدر اپنے مصارف کیلئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں حضرت علیؓ چپ تھے حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ اُنہوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس چنانچہ اُنکے اور اُنکی بی بی بچّوں کیلئے بیت المال سے کھانا کپڑا مقرر ہو گیا[2]۔ فوج روزینہ داروں میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کیلئے تنخواہ مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کیساتھ پانچہزار درہم سالانہ ان کے لئے بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی سے فاروق اعظمؓ کو سال بھر میں جو ملتا تھا۔ اُسکی یہ تعداد تھی۔ انکی معاشرت کے حالات آگے چل کر تم پڑھوگے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے زمین پر سو رہتے تھے۔ مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا۔ اس کیوجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا۔ بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ انکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی۔ تو وہ بیدریغ خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کیوجہ سے۔ ۴ ہزار درہم مہر باندھا۔

اور اسیوقت ادا بھی کر دیا۔ بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے۔ اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ انکو خوف تھا کہ بنوہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اسلئے باوجود دولتمندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں چنانچہ اس کی بحث مفصل آگے آئیگی۔ اُنہوں نے بنوہاشم کی نسبت اپنی بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا لیکن چونکہ انکی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے بلا کر اُن سے کہا کہ فی نفسی منک شئ یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے اُنہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفئ الذی ھو آت یعنی مجھ کو ڈر ہے تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو

یہ صرف سوءظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا[3] حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقمیں لے لی۔ اور جب حضرت علیؓ نے بازپرس کی۔ تو

[1] مسند امام احمد حنبل [2] کنز العمال جلد ٢ صفحہ ٣٥٣ [3] کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ٦٦ و ٦٧

لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارے میں جو کفایت شعاری اور تنگ دستی برتی۔ وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اسکی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ انکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے۔ دار الخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں جنکی ایک ایک حرکت انکے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو فقہ کی ترتیب اتنا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا الگ تھا۔ اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا۔ اور کسی کام میں حرج نہیں ہوتا تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانہ میں سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت نازک وقت ہے۔ تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی بڑی کدوکاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوتی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کا ارادہ کیا۔ تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں۔ کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ زیاد بن حدیر عراق میں دہ یکی کی تحصیل پر مامور تھے۔ انھوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دیکر محصول طلب کیا۔ اُسنے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار مجھکو عنایت کیجئے۔ دوبارہ وہ عیسائی اُنکی سرحد سے گذرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی حضرت عمرؓ نے صرف اسقدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کرچکا تھا کہ ایک ہزار دیکر گھوڑے کو واپس لے لے۔ یہاں حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا۔ ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا وہ عین اسوقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اسی حالت میں اُسنے شکایت پیش کی فرمایا نہیں دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز تک مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جاکر کہا کہ میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں وہی حنفی مسلمان ہوں جس نے تمہارا کام انجام کر دیا۔ عیسائی نے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ پہلے ہی ابن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔ اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا ہونے نہ پائے۔ عام حکم تھا اور ہمیشہ اس کی تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جسقدر اپاہج ضعیف از کار رفتہ

تمام ملک کے محتاجوں کی تنخواہیں

۵ یہ دونوں روایتیں کتاب الخراج صفحہ ۷۹ و ۸۰ میں ہیں۔

مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کردی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جنکو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا۔ تو حکم دیا کہ ایک جریب[1] آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو تیس آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا۔ اور اسیقدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کیلئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینہ بھر کی خوراک کیلئے اسقدر خوراک دیجائے۔ اعلانِ عام کیلئے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لیکر کہا کہ میں نے تم لوگوں کیلئے اسقدر خوراک مقرر کردی ہے۔ جو شخص اس کو گھٹائیگا۔ اس سے خدا سمجھے گا۔ ایک روایت یہ ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لیکر یہ الفاظ فرماتے:-

انی قد فرضت لکل نفس مسلمة فی شهر مدی حنطة وقسطی خل

یعنی میں نے ہر مسلمان کیلئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

غربا اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کیلئے بھی فرمایا ہاں[2] غلام کیلئے بھی۔ غربا اور مساکین کیلئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال میں انکے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر ذمیوں کے حقوق لکھ آئے ہیں) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔ اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسلمانوں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانہ کا ہم ذکر کوفہ کی آبادی میں کر آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جاکر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے[3]۔

لاوارث بچے

اولاد لقطہ یعنی گمنام بچے جنکو انکی مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں۔ انکے لئے ۱۸ھ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اسکے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ چنانچہ ان مصارف کیلئے اول ۱۰۰ درہم سالانہ مقرر ہوتے[4] تھے۔ پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یتیموں کی پرورش اور اگر انکی جائداد ہوتی تھی۔ تو اسکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعے سے اسکو ترقی دیتے تھے۔ ایکدفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے۔ وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹا جاتا ہے تم اسکو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو وہ دیدو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی۔ اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

یتیموں کے مال کی حفاظت کا انتظام

۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا تو عجیب و غریب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلّہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ عمرو بن العاص نے بحرِ قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے۔ جن میں سے ایک ایک میں تین ہزار اردب غلہ تھا۔ حضرت عمرؓ ان جہازوں کے ملاحظہ کیلئے خود بندرگاہ تک گئے جسکا نام جار تھا۔ اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل پر ہے۔ بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا

[1] جریب ۴ قفیز کا ہوتا ہے [2] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۵۰ میں ہے اور تمام تاریخوں میں ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ روایت مذکور ہے۔ [3] بلاذری صفحہ ۴۵۲ [4] یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۱۔

کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بنائیں۔ چنانچہ قبیلہ، نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کیگئی جس کے مطابق اسکو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر صرف حضرت عمرؓ کی مُہر ثبت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے۔ اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقعہ پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرتؓ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن انکی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔ ایشیا میں سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے۔ دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام اور بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جنہوں نے ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں۔ جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں[۱]۔

فیاضی عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بیخبر نہ تھے۔ وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراکیں مقرر تھیں صرف وہ لوگ تھے۔ جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے کسب معاش نہیں کر سکتے تھے ان اقسام کے علاوہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا نہیں رکھتے تھے۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹوں کے آگے ڈالدی اور کہا اب جو مانگنا ہے مانگ۔ علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے لائق ہوں اور باوجود اسکے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں۔ تنبیہ و تادیب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اسکی سند میں حضرت عمرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وقد فعل عمرؓ مثل ذالک بقوم من اهل الصدقة حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ مکسبۃ فیها دناءۃ خیر من مسألۃ الناس یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کی نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا موقعہ زیادہ تر علماء و صوفیہ کو ملتا ہے۔ ان کے زمانہ تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لا تکونوا عیالا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو[۲]۔

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو ہمیشہ بڑے بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کیلئے انکو وقت اور فرصت کی تنگی

[۱] یہ تفصیل یعقوبی صفحہ [illegible] میں ہے اخیر کے فقرے یہ ہیں۔ ثم امر ترید یحج ثابت ان یکتب الناس الی منازلہم وامران یکتب لہم صکاکا من قراطیس ثم ختم اسافلہا وکان اول من صک وختم اسفل الصکاک اذنب ہم و جیش دوم من [۲] سیرۃ العمرین لابن جوزی۔

نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شانِ خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔ روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں۔ جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے۔ ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ انکو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر اُنکے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلمبند کرتے۔ محب طبری نے ابو غاریفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انکا معمول تھا مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو بازار سے کچھ منگوانا ہو تو میں لادوں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمرؓ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالے کرتے۔ مقامِ جنگ سے قاصد آتا۔ اور اہلِ فوج کے خطوط لاتا۔ تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائیگا۔ تم جواب لکھوا رکھو کہ اسوقت تک روانہ ہو جائے۔ کاغذ، قلم، دوات خود مہیا کر دیتے۔ اور جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔ ان سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت اُن تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحنِ مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو کچھ انکو کہنا سننا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے تھے۔ سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے۔ ان سے ہر قسم کی پوچھ گچھ کرتے۔ ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافتِ حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں۔ اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا۔ جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں۔ اور جس طرح انھوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ ان کا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

ان تمام باتوں پر انکو تسلی نہ تھی فرماتے کہ عمال رعایا کی پروا نہیں کرتے۔ اور ہر شخص

عہ فتوح البلدان صفحہ ۲۵۴

مجھ تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر دفعہ شام کا جب سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور داد رسی کی۔ اس سفر میں ایک عبرت انگیز قصہ پیش آیا۔ دار الخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا۔ سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے۔ ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا کہ عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دور کا حال عمرؓ کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ بولی کہ اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔ ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر سرگرمی سے ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا۔ اس کی خبر اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ادھر سے گذرے تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔ اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ نہ مقرر کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمرؓ! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا۔ اسی دن منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔

اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لئے نکلے۔ مدینہ سے ۳ میل پر صرار ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بہلانے کیلئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت اٹھے۔ مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا میری پیٹھ پر رکھ دو۔ اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا ہاں لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خود لا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا۔ ہانڈی چڑھائی۔ حضرت عمرؓ خود چولھا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ سچ یہ

ہے۔ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمرؓ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدو اپنے خیمے سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر اُدھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعتہً خیمے سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہے اُسنے کہا میری بی بی درد زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر پر آئے اور ام کلثوم حضرتؓ کی زوجہ تھیں کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا۔ اور مودب ہو بیٹھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں بچے کی تنخواہ مقرر کردونگا

عبد الرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا ابھی معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اُترا ہے لوگ تھکے ماندے ہونگے۔ آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی عجیب حالت ہوئی۔ جبتک قحط رہا۔ گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے اے خدا! محمدؐ کی اُمت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا۔ اسلم اُنکے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کو جو تردد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائینگے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے:-

یا عمر الخیر جزیت الجنۃ	اے عمر اگر لطف ہے تو جنت کا لطف ہے
اکس بنیاتی وامہنہ	میری لڑکیوں کو اور انکی ماں کو کپڑے پہنا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اور تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا؟ بدو نے کہا:-

اقسم باللہ لتفعلنہ	خدا کی قسم یہ تجھ کو کرنا ہوگا۔
تکون عن حالی لتسئلنہ	تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا
والواقف المسئول بینہنہ	اور تو ہکا بکا رہ جائے گا
اما الی نار و اما جنۃ	پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کیطرف جانا ہوگا۔

حضرت عمرؓ اسقدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی۔ پھر غلام سے کہا میرا یہ کرتا اس کو دیدے۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک عورت اپنے بالاخانہ پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی:-

لہ یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ میں مستند حوالوں سے منقول ہیں۔ لہ سیرۃ العمرین۔ لہ ازالۃ الخفا۔ لہ سیرۃ العمرین۔ ازالۃ الخفا

تطاول ھذا اللیل واسود جانبہ	رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے
ولیس الی جنبی خلیل ألاعبہ	پہلوؤں میں یار نہیں جس سے خوش فعلی کروں

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا۔ اور اس کے فراق میں درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا۔ اور کہا میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوئی تو ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینہ سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعد بن یربوع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے انسے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے کہا میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھکو راستہ بتائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا۔ جو ہمیشہ انکے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ پاس جاکر کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا کہ جنگ موتہ میں میرا داہنا ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی۔ اسکے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے افسوس تمکو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے مطابق واقع ہوتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و از میان امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیا مخلوق شدہ و ایں جماعہ در اصل فطرت خلفائے انبیا اند در امت" مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اسکی صفات کمال کا اعتراف سزا و جزا کا یقین زہد و عبادت محاسن اخلاق یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصل اصول اور احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اسقدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو انکی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ باوجود اسکے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے۔ تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کیلئے آیا اور اسنے نہایت اہتمام و تاکید کیساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اسلئے ہر زمانہ میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے ائمہ مجتہدین کی ضرورت باقی رہی۔ کہ ان اسرار پر پردہ نہ

اصابہ تذکرہ سعد بن یربوع۔ ازالۃ الخفا جلد اول صفحہ ۹

پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف خواص کا جو طرزِ عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے گو استفادہ عن القبور اور حصولِ برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت اور دلیری سے اسکو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا اس کی نظیر صحابہ کے زمانہ میں بھی بہت کم ملتی ہے۔ الٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضاء و قدر کا مسئلہ ہے جسمیں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا اور مقام سرغ میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آکر کہا افراراً من قدر اللہ یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ　　یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔

مسئلۂ قضا و قدر

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ہے۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔ انی اعلم انک حجر و انک لا تضر ولا تنفع　　میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاقِ عام سے جس قدر الگ تھا۔ اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے انکو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دیگا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔ چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔ ایکدفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا۔ لوگ اسکی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اسکو جڑ سے کٹوا دیا۔ ایکدفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایکدفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادتگاہ بنا لیا۔ نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت

۱ یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے ۲ ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱ علامہ زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں بیعت الرضوان کے واقعے کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے ۳ ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱

کی باتوں کو مستثنیٰ کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے، وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور وقتی ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں، تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے، اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا، کسی نے نہیں کیا، خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، امہات الاولاد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے ان پر جرح کی ہے، لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کر دیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے، اس لئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے، چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا، یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں، ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں، یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے، یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ خاص اسی فن میں ہے تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی عقیدت مندانگی کی بظاہر شان یہی ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے، اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی ہے اور اس کے وجوہ ظاہر کئے ہیں[1] شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا، انہیں عبد اللہ بن عباس کی عمر آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی، حضرت علیؓ کا سن جناب رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا، زید بن ثابت کا سن آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا، حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگ اس علم کے کتنے ہی قدیم وارث ہوں گے، لیکن اولیت کا منصب حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہوگا۔ حضرت عمرؓ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے، اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا، چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا، حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا، اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲

قصر کیوں کیا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے[1]

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین پھیروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب عمرہ کے لئے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے ضعیف و کمزور ہو گئے ہیں کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ معمول ہو گیا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہہ دیا۔ ما لنا وللرمل انما کنا رایئنا به المشرکین وقد اهلکهم الله[2] یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض۔ اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا۔ سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبداللہ بن عباس جو حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں تو کہا کہ غلط سمجھتے ہیں۔[3]

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں۔ اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم (اسرار الدین) کے بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی بعثت کا اصلی منصب تھا۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ حضرت عمر کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق موجود رہے اور بری خوئیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے ان کا خلوص انقطاع الی اللہ، زہد و دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راستگوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر کے پاس رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مورخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملہ سے شروع کئے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے۔[4] پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی، ابو عبیدہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے۔ وہ نسب کا فخر و غرور عام لوگوں کی تحقیر، ہجو، بدگوئی، عشق، ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں۔ بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے

۱ صحیح مسلم احادیث نماز سفر ۱۲ ۲ صحیح مسلم ۳ صحیح بخاری باب الرمل ۴ ازالۃ الخفا صفحہ ۹۵ حصہ دوم ۱۲

تھے۔ اسکو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی۔ ایک دفعہ صفوان ابن امیہ نے جب معزز لوگوں کیساتھ انکی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت افروختہ ہو کر کہا کہ خدا ان سے سمجھے۔ جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب تعظیم کیلئے لوگ انکے ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر سے آنکلے۔ یہ حالت دیکھکر ابی کے ایک کوڑا لگایا۔ انکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا او ما تری فتنة للمتبوع ومذلة للتابع۔ یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کیلئے فتنہ اور تابع کیلئے ذلت ہے۔

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء بجا لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا اس لیئے یہ ہجویں نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھیں۔ اور ان سے سینکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا۔ اور اس کیلئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حطیہ اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور سودا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے طلب کر کے ایک تہ خانہ میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھیگا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں قریش نے جب تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت نے حسان کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی سند اول تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیدیا کہ وہ پڑھے نہ جائیں کیونکہ اُن سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔ عشق و ہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعراء عموماً زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور انہیں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کیساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اسوجہ سے رندی اور آوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ سے لکھا ہے۔ تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا یشبب احد بامرأة الا جلده۔ شراب پینے کی جو سزا پہلے مقرر تھی اسکو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے چالیس درے مارے جاتے تھے۔ انہوں نے اسّی کر دیئے۔ ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجودیکہ اس زمانہ میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی۔ وہ اسی استواری کیساتھ قائم رہی۔ اخلاق

۱ مسند دارمی ۲ اسد الغابہ تذکرہ زبرقان ۳ اغانی تذکرہ حسان بن ثابت ۱۲

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اسپر بہت توجہ کی۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ کو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہانتک کہ عبدالملک نے قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اسکے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اسکے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جسکی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور جناب امیر کو جنگ جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے۔ برخلاف اسکے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کیساتھ حکومت کے جبروت میں فرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا۔ تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور انکے بیٹے کیطرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

متیٰ کم تعبدتم الناس وقد ولدتہم امہاتہم احراراً¹ یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو کب سے اپنا غلام بنا لیا۔ انکی ماؤں نے تو انکو آزاد جنا تھا۔

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلے کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے۔ اسلئے کہ تبہ لوگ انکو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ جعلنی اللہ فداک² بابی وامی³۔ چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر انکی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود انکی شان میں کہا تھا کہ جعلنی اللہ فداک فرمایا کہ اذا یہینک اللہ یعنی اگر خدا ایسا کریگا تو تجھکو ذلیل کریگا۔ حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جسقدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا۔ اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایکدفعہ انہوں نے ممبر پر چڑھکر کہا صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کروگے۔ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دینگے۔ حضرت عمرؓ نے اسکے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے۔ اسنے کہا ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہونگا تو مجھ کو سیدھا کر دینگے۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں حضرت عمرؓ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اسکو ناپسند کرتا ہوں انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپکی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے۔ کہ ایکدفعہ حضرت عمرؓ نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابوبکرہ تھا صاف کہدیا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہئے تھا اور ہمارا تھا تو اس میں سے تم کو

¹ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۳ ² یعنی خدا مجھکو آپ پر قربان کرے ۱۲ ³ ماں باپ آپ پر فدا ہوں ۱۲

بننے کا کیا حق تھا؟ حضرت عمرؓ کی تقلید اور اُنکی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیکخوئی، حلم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا۔ تاریخ کے مرقع میں اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو۔ تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط و خال نظر آتے ہیں ؞

حدیث و فقہ کا فن درحقیقت تمامتر حضرت عمرؓ کا ساختہ پرداختہ ہے صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ اُنکی تعداد ۱۰۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن اس فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد کو اوّل اُنہوں نے قائم کیا۔ حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا جسکو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں زیادہ تر ضرورتیں پیش آئیں۔ اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقصاء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے اُنہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی۔ تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں جسمیں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس۔ اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جنکی نسبت احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے دریافت کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔ چونکہ حدیث جسقدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اسی قدر قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لئے اُنکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں ؞

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں ؞

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے اُنکو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کیلئے بھیجا شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابودرداء را بشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند۔ اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت

کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقعہ میں یہ ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلّم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں قیاس اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلعم کا نام نہ لے مطلب یہی ہوگا کہ اُس نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ واقعہ میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔ حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے۔ تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں۔ اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں۔ لا محالہ اسکے یہی معنی ہونگے کہ آنحضرتؐ نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو بلکہ حضرت عمرؓ نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔ اس اصول کی بنا پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرامین میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے۔ وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: "ہمچنیں آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرماید تا اصل احادیث بآں موقوف عقیدہ فوت یابد۔ ما را اینکہ بغور متن بغیر سند در بناء آنکہ و متفق علیہ از حضرت ہمیں صحیح شمار مگر شش حدیث واز فاروق اعظم بصحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث ایں را نسخے فہمیدہ و نمے دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمودہ[1]" حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا اگرچہ خود بھی مہتم بالشان کام تھے لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے۔ جو انہیں کیساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا۔ وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں۔ کیونکہ گو رسول اللہؐ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینۂ مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاہم فالاہم۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے تمام توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔ جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کیساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: "باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد و از غیر آں مصروف میساخت لہذا احادیث شمائل آنحضرتؐ و احادیث سنن زوائد در

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۲

[illegible]

لباس و عادات کمتر روایت میکنند بدو وجہ یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ تشریعیہ نیست بخیال کہ چوں اہتمام تمام بروایت آں بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن ہدی مشتبہ گردد۔[1]

حضرت عمرؓ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جن میں الفاظ مخصوصہ کیساتھ دعائیں منقول تھیں حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے اسکی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے۔ کہ حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ دعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خضوع تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔ سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا۔ وہ حدیثوں کی تحقیق اور تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔ آجکل امت میں یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دیجاتی ہے۔ گو صحیح نہ ہو۔ اسکو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہودیوں کے تمام خرافات احادیث نبویؐ کے مجموعہ میں شامل ہوگئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل انکے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی۔ تو پھر انکو زیادہ پرسش وجوہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کیساتھ قرن اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے کہ جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے۔ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ "السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے"۔ حضرت عمرؓ اسوقت کسی کام میں مصروف تھے اسلئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا ابو موسیٰ کہاں ہیں۔ وہ آئے تو کہا تم کیوں واپس گئے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تمکو سزا دونگا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ صحابہؓ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی چنانچہ ابو سعیدؓ نے انکی شہادت دی کہ میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ عمرؓ تم رسول اللہؐ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور اسکی تصدیق کرنی چاہی۔[2]

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دیجائے اسکو عدت کے زمانہ تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہئے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہئے اور مکان کیساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں انکو انکے شوہر نے طلاق بائن دی۔ وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں۔ انکا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "نہیں"۔ فاطمہؓ نے یہ روایت حضرت عمرؓ سے بیان کی تو حضرت عمرؓ

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ [illegible] ۔ [2] یہ واقعہ تفصیل کیساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے۔

نے کہا لا نترک کتاب اللہ بقول امراۃ لا ندری لعلها حفظت او نسیت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اسکو حدیث یاد ہے یا نہیں۔ سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مغیرہ نے اسکے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کیگئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی۔ اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا[1]۔ حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی و بیشی ہو جاتی ہے۔ اسلئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی اسکے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں۔ آجکل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے۔ اسلئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھونگا۔ بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکو نقل کر کے لفظی ترجمہ کرونگا۔ علامہ ذہبی جن سے بڑھ کر انکے بعد کوئی محدث نہیں گذرا اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں:-

وقد کان عمر من وجله ان یخطئ الصاحب علی رسول اللہ یامرهم ان یقلوا الروایة عن نبیهم ولئلا یتشاغل به۔

عن قرظة بن کعب قال لما سیرنا عمر الی العراق مشی معنا عمر فقال اتدرون لم شیعتکم قالوا لتکرمة لنا قال ومع ذالک فانکم تاتون اهل قریة لهم دوی بالقرآن کدوی النحل فلا تصدوهم بالاحادیث فتشغلوهم جودوا القرآن واقلوا الروایة عن رسول اللہ صلعم وانا شریککم فلما قدم قرظة قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابی سلمة عن ابی هریرة قلت له کنت تحدث فی زمان عمر هکذا فقال لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم

یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہؐ سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آیا۔ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو۔ فرمایا کہ ہاں لیکن اسکے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو انکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا۔ قرآن میں آمیزش نہ کرو۔ اور رسول اللہؐ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں۔ پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا حضرت عمرؓ نے ہم کو منع کر دیا ہے۔ ابو سلمہ

[1] دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حال میں مذکور ہے۔

نقریبی المحققہ ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعود و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں کہ ہم نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے بولے کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر مجھ کو دُرّے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود، ابو درداء، ابو مسعود کو محبوس کیا اور کہا تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے فرائض و سنن مقصود نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں میرے نزدیک آنحضرتؐ کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت کا مقصد خود انہیں کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ ان لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:-

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ

یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی و بیشی ہو جاوے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابو الحوتکیہ۔ حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبدالرحمن بن مسعود جو مقامات علمی میں حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ خاص تھے۔ ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے

یتشدد فی الروایة ویزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ[1]

یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ صلعم نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی کبار صحابہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی، وہ ابوبکرؓ تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا۔ اور کہا ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط

[1] ازالة الخفا صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم [2] تذکرة الحفاظ ذکر عبداللہ بن مسعود [3] تذکرة الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۲

اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا۔ اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ راوی کے ثقہ ہونے کیساتھ بھی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے۔ ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں۔ وہ ہر قسم کے احتمالات سے بیداغ تھیں۔ انکے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعتماد اور وثوق کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا۔ کہ ہر چند جمیع صحابہؓ عدول اند و روایت ہمہ منقول عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود۔ و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض است۔

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پا سکا۔ لیکن محققین صحابہ میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح کی ہے۔ کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرتؐ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ یا اس قریب یا اسکی مثل۔ ابو درداء اور حضرت انسؓ جو بڑے بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن عمرؓ کیساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے۔ کہ عبد اللہ بن عمرؓ مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیثیں روایت کرتے تھے۔ سائب بن یزید کا قول ہے۔ کہ میں سعد وقاص کیساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا۔ اور آیا۔ لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی نہیں روایت کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں۔

شرائط روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کئے۔ انکو اجمالاً یوں بیان کیا جاتا ہے:۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لئے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے۔ جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں مغزہ اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق اُنکی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا۔ عمر بن الخطاب۔ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے۔ کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم دوسرے پلہ میں۔ تو عمر کا پلہ بھاری رہیگا۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے جو مدرسۂ نظامیہ کے مدرس اعلیٰ تھے فقہا کے حالات میں کتاب لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہؓ تابعین کے اس قسم کے بہت سے حالات نقل کئے ہیں۔ اور اخیر میں لکھا ہے:۔

ولولا خوف الاطالة لذکرت من فقهه ما یتحیر منه کل فاضل — یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں عمر کے فتویٰ احسان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اسقدر لکھتا کہ فضلا حیران رہجاتے۔

علامۂ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اسکو کسیقدر تفصیل کیساتھ آگے چلکر لکھیں گے۔ پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جسقدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ [فقہ کے تمام سلسلوں کا مرجع حضرت عمرؓ ہیں] بلاد اسلام میں مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام، اس انتساب کی وجہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہیں مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبد اللہ بن عباسؓ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابتؓ و عبد اللہ بن عمرؓ۔ کوفہ کے حضرت علیؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ و ابو موسیٰ اشعریؓ شام کے ابو الدرداء و معاذ بن جبل۔ ان میں دو حضرات کے سوا اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اور خاص کر عبد اللہ بن عباس۔ عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود تو ان کے ساختہ پرداختہ تھے۔ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔ عبد اللہ ابن عباس کو گویا حضرت عمرؓ نے اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہانتک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو معلوم نہیں۔

علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب ابن عباس ویقربه یعنی حضرت عمرؓ ابن

عباس کو محبوب رکھتے تھے۔ اور انکو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا عبداللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے حضرت عمرؓ انکو ہمت بندھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ علم سن کی کمی و زیادتی پر موقوف نہیں ہے۔ کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے اجتہادات کو حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئیگا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت برسوں حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے انکے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعریؓ۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ ستة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتذاکرون الفقہ بینہم علی ابن ابی طالب و ابی و ابو موسی علیحدة و عمر و زید و ابن مسعود علیحدة۔ یعنی اصحاب رسول اللہؐ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے حضرت علیؓ، ابیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ، زید اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ۔ صفوان بن سلیم کا قول ہے لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و علی و معاذ و ابی موسیٰ یعنی آنحضرتؐ کے زمانہ میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے۔ عمرؓ، علیؓ، ابو موسیٰؓ، معاذ۔ امام شعبی کا مقولہ ہے کان العلم یؤخذ عن ستة من الصحابة یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔ گو یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں احادیث صحیح صاف اور صریحۃ موجود ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جنمیں حدیث صحیح صاف اور صریح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔ ان مسائل کیلئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے اسکے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعہ سے حکم مستخرج ہوتا ہے۔ یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔ ایسی صورت میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بزرگ بہت تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتوے دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے۔ جن کا ذکر اوپر گذرا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

وما سائرهم فکلا ما لاربعة فکانوا یبنون ادلتهٗ ولکن ما کانوا یمیزون الرکن والشرط من الآداب والسنن ولم یکن لهم قول عند التعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قلیلا کابن عمر و عائشة وزید بن ثابت۔

لیکن ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے۔ اور جہاں حدیثیں متعارض نہیں ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمرؓ عائشہؓ، زید بن ثابت۔

بہرحال مجتہدین صحابہؓ میں سے زیادہ نہ تھے۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے۔ جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا حضرت علیؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم روایت کیلئے شام بھیجا تھا لیکن انکا ۱۸ھ میں انتقال ہو گیا۔ اسلئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے۔ حدیث اوچہار باقی نماند عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابوموسیٰ اشعری کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ زید بن ثابت نیز در اکثر تبیع اوست۔ ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے حضرت عمرؓ نے مسائل فقہیہ میں جسقدر غور و فکر اور غوض کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں۔ ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا۔ وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جبتک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی۔ بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ انکے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرتؐ سے اسقدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آ گئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے۔ انکو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً انکے متعلق جو رائے قائم ہوتی۔ اسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں بھی محو و اثبات کیا کرتے پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اسکو محو کر دیا اس کا حال امام محمد

۱؎ ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۱ ۲؎ ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۸۳ ۳؎ مسند امام احمد حنبل ۱۲

موطا میں لکھا ہے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں معتبر حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے ... مختلف رائیں قائم کیں۔ بعض بعض مسائل کے متعلق انکو مرتے دم تک کاوش رہی۔ اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اسکو منگوا کر مٹا دیا۔ اور کہا کہ آپ لوگ۔ خود اسکا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے۔ کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اسکو قبول کریں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے۔ لیکن ابو بکرؓ کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے کاش رسول اللہؐ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریری فیصلہ فرما جاتے کلالہ، دادا کی میراث، ربا کی بعض اقسام۔ مسائل فقہیہ کے متعلق انکو جو کد و کاوش رہتی تھی اس کے اندازہ کرنے کیلئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ کلام مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں۔ اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثا داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرتؐ سے چند بار دریافت کیا اس پر تسلی نہ ہوئی۔ تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ، ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث علاء الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

چونکہ انکے زمانہ میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں۔ اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے۔ اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہؓ میں سے تھے۔ تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے۔ اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بنا پہ حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو بہت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں۔ جو ممالک مختلف سے انکے پاس جواب کیلئے آتے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کیساتھ فتوی پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ۔ عمار بن یاسرؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ابو عبیدہ جراحؓ۔ مغیرہ بن شعبہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے۔ اور تنہا ان کی رائے بھی فتوی کیلئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کیساتھ وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے ان پر نہایت نکتہ سنجی کے ساتھ

بحثیں ہوتی تھیں۔ علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو اُن سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصل نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

كان من سيرة عمر انه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتى تنكشف الغمة ويأتيه الثلج فصار غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الارض ومغاربها۔

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہؓ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا اُنکی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں اُنکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً بیہقی نے روایت کیا ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین و انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ منعقدہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہؓ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا۔ غرض یہ کہ ازواج مطہرات کے فیصلہ پر معاملہ اٹھا رکھا گیا۔ اور اُنہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا حضرت عمرؓ نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اُس میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔ فقہ کے جسقدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُنکی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے متعلق اہم مسائل ہیں۔ اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے اُنکی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ہمچنیں مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً[1]۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اُنکی مدد سے "فقہ فاروقی" پر ایک مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفا میں شامل کر دیا ہے۔ یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ اور ہی ہے۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی۔ بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول و ضوابط قرار دیئے جسکو اصولِ فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۸۲

مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے جو افعال و اقوال مروی ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو منصبِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے وہ لو۔ اور جس چیز سے تمکو روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جنکو منصبِ رسالت سے تعلق نہیں، چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ

یعنی میں آدمی ہوں اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اسکو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے طب کے متعلق جو ارشاد فرمایا، یا جو افعال آنحضرتؐ سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادتاً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرتؐ نے مرغوبات عرب کے موافق بیان کیں، مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں، مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام، یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا ہے، اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا، اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمرؓ ہیں، کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیان بدر کے معاملہ میں انکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کیجائے۔ ان تمام باتوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب نبوت سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں دخل دیتے تو بجز گستاخی ماننا تو درکنار ہم انکو اصلاح کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رائیوں پر عمل کیا، مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک امہات کی اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جاسکے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روک دیا۔ یا آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرتؐ کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی، حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے، اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کیلئے بھی مسند خلافت پر ان کا بیٹھنا

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ

کب گوارا کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس اتنیاز مراتب کی جرأت اسوجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے منصبی احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اسپر ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الٰہی سے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز جنازۂ منافق ان تمام معاملات میں وحی جو آئی حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق آئی۔ اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی نہ رہا کہ زمانہ اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ بہت سے معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے قاعدے وضع کئے۔ جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اسکے امام شافعیؒ کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب، توزیع، تعیین شعار، تخصیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر احاد[1] یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو، کی حیثیت احتجاج کا تھا۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ انسے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تخصیص ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذن، ملاقات، اسقاط جنین، خریداری مکان عباس بن عبدالمطلب، تیمم جنابت کے مسئلوں میں انہوں نے عمار بن یاسر، ابوموسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، اُبی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت قرار نہیں دیا۔ جبتک کہ تائیدی شہادتیں نہیں گذریں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کی تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے قرآن مجید کی تنسیخ و تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے فاطمہ بنت قیسؓ نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرتؐ کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم قرآن مجید کی نص سے ثابت تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا۔ لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب نہیں ہے کہ خبر احاد قابل احتجاج نہیں۔ نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج ہیں (ان دونوں صورتوں میں

[1] اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں۔ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر احاد میں داخل ہے۔ لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اس کا وجود نہ تھا۔

جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جنکی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے، اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اسکے خلاف بھی کیا، اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار احاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آرا ہے۔ اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں لیکن جہانتک ہم نے ان طویل بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے۔ اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی، لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرنے نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اس کی بنا صرف تحقیق حق پر تھی۔ اس زمانہ کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی۔ کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہہ دیا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کیلئے اسکا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کیلئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد حنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور انکے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد اول جسنے ڈالی وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبلؓ ہیں۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے معاذ کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کرو گے انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دونگا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی۔ اجتہاد کرونگا[1] لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ انکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن حزم داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے مسند دارمی میں بسند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا۔ تو قرآن کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی۔ تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے۔ اور انکے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا۔ اسکے مطابق فیصلہ کرتے[2] اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع

[1] یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے۔ [2] مسند دارمی صفحہ ۳۲۔

سے کام لیا جاتا تھا اور قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں قیاس کی صاف ہدایت تھی چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں :-

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما ليس بلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك[5]

جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو، اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو، اور پھر ان سے قیاس کرو۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔ تعدیۃ الحکم من الاصل الی الفرع بعلۃ متحدۃ۔ اصل حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرت نے گیہوں، جو وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کو برابر بیچو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا۔ اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرتؐ نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونا دے۔ اور اس سے اسی قسم کا چونا سوا سیر یا سیر ہی بھر لے لیکن اس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائیگا۔ اصولیین کے نزدیک قیاس کیلئے مقدم دو شرطیں ہیں (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو یعنی اسکے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔ حضرت عمرؓ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔ پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ مما لیس بلغک فی الکتاب والسنۃ۔ دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور۔

ان عام اصول کے سوا حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے۔ جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں۔ اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث ملی اور دوسرے کو نہیں۔ لیکن عموماً اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف اصولوں کو بہ تفصیل لکھا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان ائمہ نے عمداً یہ اصول بیان کئے تھے۔ امام شافعی نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی

[5] یہ روایت دارقطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۸

صراحتہً منقول نہیں بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہئے کسی نے اُن سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی۔ اُنہوں نے کہا آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں۔ وہ اس قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان بزرگوں سے صراحتہً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے اسی بناء پر ہے اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے صحابہؓ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے۔ ان موقعوں پر اُنہوں نے جو تقریریں کیں اُنکے استقصاء سے بہت اصول قائم ہوئے ہیں۔ اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استقلال موجود ہوتے تھے۔ اس لئے اُنکو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دیجائے۔ کسکو ناسخ ٹھیرایا جائے۔ کس کو منسوخ۔ کس کو عام ٹھیرایا جائے کسکو خاص کسکو مقدم مانا جائے کسکو مؤخر۔ اس طرح نسخ۔ تخصیص۔ تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہوگئے۔ عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجئے۔ کیونکہ اس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی۔ فرمایا تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کیلئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مال مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا کہ اس میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اُترے۔ عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا کہ نہ بتانا۔ اس سے دو اصول ثابت ہوئے۔ ایک یہ ایک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر حکم ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایکدفعہ رمضان میں ابر کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا۔ تھوڑی دیر بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ الخطب یسیر وقد اجتھدنا یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں۔ ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت کلیات منضبط کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فقہ کے بہت سے مسائل بیان کئے۔ ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہؓ نے بھی اُن کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور آئمہ مجتہدین نے اُنکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے استقرائے سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جنمیں دیگر صحابہؓ نے اُن سے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض مسائل میں جن صحابہؓ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمم، نیابت، متع تمتع، رجع، طلقات ثلث وغیرہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے دیگر صحابہؓ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً اُن مسائل میں جو معرکۃ الآرا رہے ہیں اور جنکو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے۔ عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمرؓ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

ایک بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ خمس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے

واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ	جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کیلئے
وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین	اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے
وابن السبیل	اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے۔ نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے خمس پر استدلال کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اگرچہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لیکن رائے اُنکی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں۔ یہ صرف حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباس کی رائے نہ تھی۔ بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور سے اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابتداران پیغمبر کو مطلق خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرتؐ کے بعد آنحضرتؐ کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے قرابتداروں کا بھی حصہ جاتا رہا۔ اب ہم کو غور کیساتھ دیکھنا چاہیئے۔ کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں۔

لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں، وہاں بھی بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (۱) یہیں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنیوالے، مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے جسکو زکوٰۃ دیجائے ادا ہو جائیگی۔ یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کئے جائیں، آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام مالا یلزم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم وبیش تقسیم کیا جائے۔ اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔ احادیث وروایات کے استقرا سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے:۔

(۱) ذوی القربیٰ میں آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنو عبد الشمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے انکو باوجود طلب کرنیکے بھی کچھ نہیں دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے[1] (۲) بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے:۔

ولکن لم یقسمه بینهم علی السواء بین اغنیائهم وفقرائهم ولا کان یقسمه قسمة المیراث بل کان یصرفه فیهم بحسب المصلحة والحاجة فیزوج منهم اعزبهم ویقضی منه عن غارمهم ویعطی منه فقیرهم کفایته[2]

لیکن دولتمندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے نہ میراث کے قاعدہ سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضروریات کے موافق عطا فرماتے تھے یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے، قرضداروں کا قرضہ ادا فرماتے تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

ان واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد الشمس کو بھی آنحضرتؐ حصہ دیتے، کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرتؐ کے قرابتدار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جہانتک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں ان سے مخالف تھے، ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچواں حصہ ذوی القربیٰ کا حق ہے

[1] زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۷۱ [2] زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۷۲۔

دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضروریات کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفۂ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اسکے عبداللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہے۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ایمنا ونقضی منه عن مغرمنا فابینا الا ان یسلمه لنا فابی ذالک علینا۔[1]

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اسکے نہیں تسلیم کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ میں دیا جائے عمرؓ نے اس کو منظور نہ کیا۔

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایۃ ہے اسلئے اسکی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحوائے اور آنحضرتؐ کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ پورا پورا پانچواں حصہ دیتے تھے۔ قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہوتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرتؐ اور آنحضرتؐ کے قرابتداروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بناء پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدبیروں میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں کوئی حصہ آپکے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اسوقت مال غنیمت فی اور انفال بس یہی آمدنیاں تھیں چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا جسکا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کیلئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ذوی القربیٰ کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے۔ تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ کیلئے جو کچھ مقرر تھا وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپکے قرابتداروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گو انکی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولتمند اور غنی ہو جائیں تاہم انکو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱

ایسا قاعدہ ہے جو اصولِ تمدن کے بالکل خلاف ہے کون یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائیگا کہ اسکی تمام اولاد کیلئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اُس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباسؓ جو خمس کے مدعی تھے۔ ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کیلئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے رہ گئے تھے انہیں کی نسبت انکو یہ دعویٰ ہوگا۔ ایک اور مہتم بالشان مسئلہ فے کا ہے یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمانوں نے فتح کیا ہو یہ مسئلہ ایسا معرکۃ الآرا ہے کہ صحابہ کے عہد سے لیکر آجتک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ "باغ فدک" کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلہ کی ایک فرع ہے۔

بڑا غلط مبحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل غنیمت سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو ابتدا میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں۔ یہ قاعدہ بھی کسیقدر تغیر صورت کیساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہؐ کے عہد میں بھی رہا۔ اسلئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اسکے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہانتک کہ اس پر ایکدفعہ جھگڑا اٹھا۔ جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنیوالے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑکر آئے ہیں ان لوگوں نے کہا ہم رسول اللہؐ کے محافظ تھے۔ اس لئے ہم حقدار ہیں اس پر یہ آیت اتری[1]۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول یعنی تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہو تو کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہیں۔

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنیوالوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں۔ لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے تھے پھر یہ آیت اتری

واعلموا انما غنمتم من شیٴ فان للہ خمسہ جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے تو اس کا پانچواں
وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین حصہ خدا کیلئے ہے اور پیغمبر کیلئے اور رشتہ داروں کیلئے اور یتیموں

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۱۵۸ کتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

وابن السبیل

کے لئے اور مسکینوں کیلئے اور مسافروں کیلئے۔

اس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیئے جائیں چار حصہ مجاہدین کو تقسیم کر دیئے جائیں اور پانچویں حصہ کے بھی پانچ حصہ ہو کر آنحضرتؐ اور ذوی القربی اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے۔ زمین اور جائداد کیلئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا غزوہ بنی النضیر میں جو ۵ھ میں واقع ہوا سورۂ حشر کی یہ آیت اُتری

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم والذین جاؤ من بعدھم

یعنی جو زمین یا جائداد آئے وہ خدا اور پیغمبر اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مہاجرین اور اُن سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائیگی بلکہ بطور "وقف" کے محفوظ رہیگی۔ اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہونگے یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فے کی۔ ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور اُنکے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسیوقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ اُنکو تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف۔ زبیر بن العوام۔ بلال بن رباح نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر جیسا کہ ہم صیغۂ محاصل میں لکھ آئے ہیں بہت بڑا مجمع ہوا۔ اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورۂ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ والذین جاؤ من بعدھم پڑھ کر فرمایا کہ۱؎

فکانت ھذہ عامۃ لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفیء بین ھؤلاء جمیعاً فکیف نقسمہ لھؤلاء وندع من تخلف بعدھم۔

یہ تو تمام آئندہ آنیوالوں کیلئے ہے اور اس بناء پر یہ ممالک تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں اور ان لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہونگے

امام شافعی اور انکے ہم خیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی فتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرتؐ نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی ہے۔ اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ حق تھا آنحضرتؐ

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے ۱۲

کی جاگیر نہ تھی کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے:-

وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شيء قدير۔

یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلا دیا تو تم لوگ اس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے۔ لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرتؐ کی مملوک خاص ٹھہری تو اس وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ جاری ہوگا۔ اور آنحضرتؐ کے ورثا اس کے مستحق ہونگے لیکن حضرت عمرؓ نے باوجود حضرت علیؓ کے طلب و اقدام کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ ماحصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤدؑ زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے۔ یا عالمگیر قرآن لکھ کر صرف کرتا تھا۔ یہ آمدنی انکی ذاتی آمدنی تھی اور اس پر ہر طرح کا انکو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داؤدؑ کے مملوکہ ممالک جو حضرت داؤدؑ کے قبضہ میں آئے تھے۔ اس دوسری قسم میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہی کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اسکا مالک یا متولی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے مثلاً سلطان عبدالحمید خاں کے بعد انکے ممالک مقبوضہ یا انکی جاگیر خالصہ انکے بیٹے، بھائی، ماں، بہن وغیرہ میں تقسیم نہ ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہوگا اسی پر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشری کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اسمیں وراثت جاری نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانہ میں اسکے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ انکی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ و عباس و محمد بن حنفیہ و زینب وغیرہ کو جو حضرت علیؓ کے وارث تھے اسکا کچھ کچھ حصہ سہام کے لحاظ سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت امام حسنؓ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؓ کے جانشین تھے۔ غرض یہ عام اور مسلّم قاعدہ ہے کہ جو جائداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب خیبر کی فتح سے پھرے تو محیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ

لہ کتاب الخراج صفحہ ۱۰ اور اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے۔ ۱۲

اسلام کیلئے بھیجا۔ فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور انکا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودی نے صلح کا پیغام بھیجا اور بمعاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایسی جائداد آنحضرتؐ کی ملک خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے۔ کہ وہ فوج کے ذریعہ سے نہیں فتح ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔ لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعہ سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں۔ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا انکو کسی نے آنحضرتؐ کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا۔ تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام رہیں۔ لیکن فدک کو آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کیلئے مخصوص کر لیا تھا اس سے اس خیال کا موقعہ ملا کہ وہ آنحضرتؐ کی جائداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اس لئے اس پر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال در اصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کیلئے مخصوص کر لیا تھا لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں:-

فکان نصف فدک خالصاً لرسول اللہ وکان یصرف ما یاتیہ منہا الی ابناء السبیل۔[1] یعنی آدھا فدک خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے:-

ان فدک کانت للنبی صلعم فکان ینفق منہا ویأکل ویعود علی فقراء بنی ہاشم ویزوج ایمہم[2] یعنی فدک آنحضرتؐ کا تھا آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقراء بنی ہاشم کو دیتے تھے اور انکی بیواؤں کی شادی کر دیتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں تصریح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمین کے مصالح میں صرف ہوتے تھے۔ ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا محصول گو موقت ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کیلئے کوئی جائداد خالصہ کر دی جاتی ہے۔ اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوئی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انہوں نے فدک میں وراثت جاری نہیں کی یا یہ کہ یہ نکات بطور فروع ہیں۔ عراق و شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے صحابہ کے عام مجمع میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القریٰ فللہ الخ[3] استدلال کر کے صاف کہدیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں۔ بلکہ وقف

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک۔ [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹ [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۰

عام ہیں چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ آنحضرتؐ کی جائداد خاص ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ اسکے یہی معنی قرار دیتے تھے آیت یہ ہے:-

ما افاء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء

اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا کہ فکانت خالصة لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ جاری نہیں ہوتا جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرتؐ کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ بھی فرمائے جیسا صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی میں مذکور ہے:-

فکان رسول الله ینفق علی اهله نفقة سنتهم من هذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعله مجعل مال الله فعمل رسول الله بذالك حیاته ثم توفی الله نبیه صلی الله علیه وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول الله ثم توفی الله ابابکر فکنت انا ولی ابی بکر فقبضتها سنتین من امارتی اعمل فیها بما عمل رسول الله صلی الله علیه وسلم وبما عمل فیها ابوبکر

آنحضرتؐ اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے۔ باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے زندگی بھر یہی عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں انکا جانشین ہوں پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔ پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلعم کرتے تھے اور جس کی پیروی ابوبکرؓ نے کی تھی۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ باوجودیکہ فدک کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرتؐ کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے جس میں وراثت جاری ہو اور اس وجہ سے اسکے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسولؐ کا جانشین ہو چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور خود اپنے قبضہ کی یہ وجہ بتائی۔

حضرت عمرؓ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ ان کے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرتؐ کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرتؐ کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے فھذہ عامة فی القری کلھا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں پر شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذوجہتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ کہتے ہیں:۔ فھو ملک یخالف حکم غیرہ من المالکین وھذا النوع من الاموال ھو القسم الذی وقع بعدہ فیہ من النزاع ما وقع الی الیوم ولولا اشکال امرہ علیھم لما طلبت فاطمة بنت رسول اللہ صلعم میراثھا من ترکتہ وظنت انہ یورث عنہ ما کان ملکا لہ کسائر المالکین وخفی علیھا رضی اللہ عنھا حقیقة الملک الذی لیس مما یورث عنہ۔ ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو کہ جو ابتدا سے آج تک معرکہ آرا ہے اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو طغرائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، قوت تقریر، شاعری، نسب دانی، سپہ گری، بہادری، آزادی مقدم چیزیں تھیں۔ اور ریاست و افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔ تقریر کا ملکہ خداداد تھا۔ اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کیلئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ اُن کے معمولی جملوں میں ادیبی کا اثر اور جو برجستہ فقرے ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی شمع پائی جاتی تھی۔ عمرو بن معدیکرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی

تھے بہت متحیر ہو کے کہا۔ "اللہ! اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے!" مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اسقدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابوعبیدہؓ نے جب ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کسقدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کیطرف بھاگتا ہوں"۔ مختلف وقتوں میں خطبے جو انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں۔ ان سے اُنکے زور تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں:۔

اللھم انی غلیظ فلیّنی اللھم انی ضعیف فقوّنی	اے خدا میں سخت ہوں مجھکو نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے
الا وان العرب جمل انف وقد اعطیت خطامہ	(قوم سے خطاب کر کے) ہاں عرب والے سرکش اونٹ ہیں جنکی مہار
الا وانی حاملہ علی المحجة۔	میرے ہاتھ میں دیگئی ہے لیکن میں انکو رستہ پر چلا کر چھوڑونگا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کیلئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد وہاں سے بلا لئے گئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زور تقریر کا اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم و ملت کے آدمی جمع تھے۔ عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا۔ اس کیساتھ مختلف مذہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا۔ مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی۔ غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے۔ قوم کے سامنے خالد کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبان پر رہے۔ فقہا نے اس سے فقہی مسائل استنباط کئے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔ ۲۳ھ میں جب حج کیا اور اُنکا یہ اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمرؓ مر جائینگے تو میں طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کرونگا۔ حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی خبر ہوئی تو بہت افروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دونگا۔ عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ امیرالمومنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکینگے۔ مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے۔ وہ لوگ ہر بات کا پہلو سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی۔ آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے۔ حضرت عبداللہ

ابن عباس زیادہ مشتاق تھے اسلئے ممبر کے قریب جاکر بیٹھے۔ اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمرؓ ایسی تقریر کرینگے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی غرض اذان ہو چکی تو حضرتؓ نے خطبہ دیا۔ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاریؓ میں مذکور ہے اسمیں سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اسوقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔ جن مجمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں انکے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ ساتھ ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبے دیتے تھے لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے۔ ان میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کیلئے ممبر پر چڑھے تو دفعۃً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی۔ اس وقت یہ عذر کیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ خطبہ کیلئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ویسا ہی کرونگا۔ وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ کیلئے تیار ہو کر آتے تھے لیکن انکا خود بیان ہے کہ نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا تھا۔ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا نکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی بخلاف اسکے عام خطبوں میں خطیب جب ممبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اسکے محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اسکی تقریر میں بلندی اور زور آجاتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے خطبہ میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ زیادہ تر موعظت نصیحت اور عام قومی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پرپیچ معاملات خطبہ میں نہیں ادا ہو سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولیٹیکل خطبے دیئے اسکے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقہ سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبہ کیلئے تمام تقریر کے علاوہ اور خارجی باتیں جو درکار ہیں، حضرت عمرؓ میں سب موجود تھیں۔ آواز بلند اور پر رعب تھی۔ قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ممبر پر کھڑے ہیں اس موقعہ

۵ صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۰۹

پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ انکے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقعہ پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اسکے الفاظ یہ ہیں:- الا انی لا اجد ہذا المال یصلحہ الا خلال ثلاث ان یوخذ بالحق و یعطی بالحق و یمنع من الباطل ولست ادع احداً یظلم احداً حتی اضع خدہ علی الارض و اضع قدمی علی الخد الآخر حتی یذعن للحق یا ایہا الناس ان اللہ عظم حقہ فوق حق خلقہ فقال فیما عظم من حقہ ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ والنبیین ارباباً الا انی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الہدی یہتدی بکم ولا تغلقوا الابواب دونہم فیاکل قویہم ضعیفہم۔ اور ایک خطبہ کے چند جملے یہ ہیں۔ فانتم مستخلفون فی الارض قاہرون لاہلہا قد نصر اللہ دینکم فلا تصبح امۃ مخالفۃ لدینکم الا امتان امۃ مستعبدۃ للاسلام و اہلہ یجزون لکم علیہم المؤنۃ و لکم المنفعۃ و امۃ ینتظرون وقائع اللہ و سطواتہ فی کل یوم و لیلۃ قد ملأ اللہ قلوبہم رعباً۔ قد رہقتہم جنود اللہ و نزلت بساحتہم مع رفاہۃ العیش و استفاضۃ المال و تتابع البعوث و سد الثغور۔ حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا اللہم لا تدعنی فی غمرۃ ولا تاخذنی فی غرۃ ولا تجعلنی مع الغافلین۔ قوت تقریر کی طرح تحریر میں بھی انکو کمال حاصل تھا۔ انکے فرامین، دستور العمل، خطوط، توقیعات ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں۔ جو تحریر جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے۔ چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام۔ اما بعد فان للناس نفرۃ عن سلطانہم فاعوذ باللہ ان تدرکنی و ایاک عمیاء مجہولۃ و ضغائن محمولۃ و اہواء متبعۃ کن من مال اللہ علی حذر و خف الفساق و اجعلہم یداً یداً و رجلاً رجلاً اذا کانت بین القوم نائرۃ یا لفلان یا لفلان فانما تلک نجوی الشیطان فاضربہم بالسیف حتی یفیئوا الی امر اللہ و یکون دعوتہم الی الاسلام۔ ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام۔ اما بعد فان القوۃ فی العمل ان لا تؤخروا عمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال فلم تدروا بایہا تاخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی۔ حضرت عمرو بن العاص نے لیت و لعل کیا۔ حضرت عمرؓ نے غصہ میں آکر جو تہدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہٖ نقل کی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بعض فقرے یہ ہیں۔ وقد علمت انہ لم یمنعک من ذلک الا ان عمالک عمال السوء اتخذوک کہفاً و عندی باذن اللہ دواء فیہ شفاء الی محبت

مؤ ازالۃ الخفا و تاریخ طبری و عقد الفرید خطبات عمرؓ کتاب الخراج صفحہ ۲

من كان يأتيني ابيات في العطائك بالخوارج وكتابك الى البيقيات بطريق عا اشادلك فيه فلا تجبرنع ابا عبلي الله
ان يوقفني منك الحق وتعطاه فان الشهر يجيح المدن۔

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ انکی شہرت عام طور پر کم ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کرتے تھے لیکن شعر و شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا۔ اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھکر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں:۔ شعر و شاعری

وكان من انقد اهل زمانه للشعر وانفذهم فيه معرفة[1]۔ یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور سخن شناس تھے۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے:۔

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر[2] یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانہ میں سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا۔ اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے۔ اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بدزبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعر کے دقائق ان سے بڑھکر کون سمجھ سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا۔ امرء القیس، زہیر، نابغہ۔ ان سب میں زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور اسکو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے۔ اہل عرب اور علماء ادب کے نزدیک آج یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ غزوہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے حضرت عمرؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر۔ انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے:۔ حضرت عمرؓ زہیر کو سب سے بڑا شاعر سمجھتے تھے

[1] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء۔ [2] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر صفحہ ۹۵ [3] دیکھو کتاب البیان والتبیین للجاحظ صفحہ ۹۷ وکتاب العمدہ باب تعرض الشعراء ۱۲۔

لانہ لا یتبع حوشی الکلام ولا یعاظل من المنطق ولا یقول الا ما یعرف ولا یمتدح الرجل الا بما یکون فیہ

یعنی زہیر نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا، اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی، وہ وہی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے، جس کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو درحقیقت اس میں پائے جاتے ہیں۔

پھر ثبوت کے طور پر یہ اشعار پڑھے:

اذا ابتدرت قیس بن عیلان غایۃ — من المجد من یسبق الیہا یسود

ولو کان حمد یخلد الناس لم تمت — ولکن حمد الناس لیس بمخلد

حماد بن قرن نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے، اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ بے جا مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔ زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا۔ ایک دن کے دربار میں حاضر تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو۔ اس نے ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا۔ اس نے کہا ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا۔ اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے، کیا ہوئے؟ اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ ان کو بوسیدہ نہ کر سکا۔[1]

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ فرمایا یہ شعر کس کا ہے:

الا سلیمان اذ قال الالہ لہ — قم فی البریۃ فاحددہا عن الفند

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے:

اتیتک عاریا خلقا ثیابی — علی خوف تظن بی الظنون

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے:

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ — ولیس وراء اللہ للمرء مذہب

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے۔[2]

[1] اغانی تذکرہ زہیر۔ [2] اغانی تذکرہ نابغہ

بایں ہمہ وہ امراء القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے:۔

سابقهم خسف لهم عين الشعر — وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمہ سے پانی نکالا

وافتقر عن معان عور اصح بصر — اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے[1]۔ حضرت عمرؓ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے کر پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے۔ یہ شعر آیا:۔

وان الحق مقطعه ثلاث — يمين او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے۔ اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے۔ ایک اور دفعہ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے۔ اس شعر کو سن کر

والمرء ساع لامر ليس يدركه — والعيش شح واشفاق وتاميل

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرعہ بار بار پڑھتے رہے۔ اسی طرح ابو قیس بن الاسلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار دیر تک دہرایا کئے۔ اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ علماء ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔ جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت نفس، حمیت، غیرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بنا پر امرائے فوج اور عمال، اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا:۔

حفظ اشعار

مر من قبلك بتعلم الشعر فانه يدل على — لوگوں کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق بلند اور

معالي الاخلاق وصواب الرأي ومعرفة الانساب — صحیح رائے اور انساب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

تعلیم اشعار کا حکم اضلاع میں

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے[2]۔

علموا اولادكم العوم والفروسية ورووهم — یعنی لڑکوں کو تیرنا اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں

ما سار من المثل وحسن من الشعر — اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب

[1] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء۔ [2] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتبیین صفحہ ۹۷-۹۸ میں نقل کی ہیں۔ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۲

مٹا دیئے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے۔ اپنا عشق جتاتے تھے حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا۔ اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح ہجوگوئی کو ایک جرم قرار دیا۔ اور حطیہ کو جو مشہور ہجوگو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ: بنو العجلان ایک نہایت ہی معزز قبیلہ تھا۔ ایک شاعر نے انکی ہجو لکھی انہوں نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا:-

اذی اللہ عادنی اھل لؤم ورقۃ — خدا اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے

فعادیٰ بنی العجلان رھط ابن مقبل — تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بددعا ہے اور ممکن ہے خدا اسکو قبول نہ کرے انہوں نے دوسرا شعر پڑھا:-

قبیلتھم لا یغدرون بذمۃ — یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا

ولا یظلمون الناس حبۃ خردل — اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے

حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش میرا خاندان ایسا ہی ہوتا حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الا عشیۃ — یہ لوگ چشمہ یا کنوئیں پر صرف رات کیوقت جاتے ہیں

اذا صدر الوراد عن کل منھل — جب اور لوگ واپس آ چکتے ہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بیکس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنکر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے۔ انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا:-

وما سمی العجلان الا لقولھم — اس کا نام عجلان اسلئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے

خذ القعب واحلب ایھا العبد واعجل — کہ اے او غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ لا

حضرت نے فرمایا: سید القوم خادمھم

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا حضرت عمر کا خاندانی علم تھا یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ انکے باپ خطاب مشہور نساب تھے حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر انکا حوالہ کرتے تھے خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔ لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہے کہ اسوقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا۔ تو عبرانی ہی نسخہ کیطرف

مجبوراً کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے۔ اسلئے یہودی پڑھ کر سناتے ۔ عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے :-

کان اھل الکتاب یقرؤن التوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام[1]

یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ توریت خود پڑھ سکتے تھے۔ یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے۔ انکا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن انکے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تمکو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو[2]۔

عبرانی علم کی واقفیت

حضرت عمرؓ کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جسقدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر انکے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے انکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے انکے پڑھنے سے روکا[3]۔ انکی ذہانت اور طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ انکے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گذر چکا لیکن انکی معمولی سے معمولی باتیں بھی ذہانت اور طباعی سے خالی نہیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گذرا تھا کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے انکو واپس بلا لیا۔ اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین

ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں۔ احسان کریں ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ خدایا مجھ کو فتنوں سے بچانا۔ فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو مال و اولاد نہ دے۔ خدا نے قرآن مجید میں مال و اولاد کو فتنہ کہا ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں۔ ان کی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا

[1] صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹۴۔ [2] مسند دارمی صفحہ ۶۳۔ [3] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ ۲۲۳۔ [4] تاریخ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر۔

نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں خدا خود فرماتا ہے:۔

هو الذی یسیرکم فی البر و البحر — وہ (خدا) ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔

حکیمانہ مقولے

ان کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

من کتم سره کان الخیار فی یده	جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے
اتقوا من تبغضه قلوبکم	جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔
اعقل الناس اعذرهم للناس	سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو لوگوں کے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہے
لا تؤخر عمل یومک الی غدک	آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھو۔
ابت الدراهم الا ان تخرج اعناقها	روپے سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتے۔
ما ادبر شئ فاقبل	جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی
من لم یعرف الشر یقع فیه	جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں۔ وہ برائی میں مبتلا ہوگا
ما سألنی رجل الا تبین لی فی عقله	جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تو مجھ کو اسکی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔
(واعظ سے خطاب کر کے) لا یلهک الناس عن نفسک	لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔
اقلل من الدنیا تعش حرا	دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کروگے۔
ترک الخطیئة اسهل من معالجة التوبه	توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے
لی علی کل خائن امینان الماء والطین	ہر بد دیانت پر میرے دو داروغے متعین ہیں۔ آب و گل۔
لو ان الصبر والشکر بعیران ما بالیت علی ایهما رکبت	اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اسکی پروا نہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔
رحم الله امرأ اهدی الی عیوبی	خدا اس شخص کا بھلا کرے۔ جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی میرے عیب مجھ پر ظاہر کرتا ہے)

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب عمرؓ کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے۔" تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا گمان ہوتا تھا! اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی۔ کہ انکی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اور آجتک قائم ہیں۔ نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی۔ تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا کسی نے نقارہ کی رائے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے کہ نماز

کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اسیوقت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور در حقیقت ایک مذہبی فرض کیلئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملہ میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے جو رائے دی وحی اس کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس پر بار بار خیال ہوا اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے۔ چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی۔ جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔ عبد اللہ ابن ابی جو منافقوں کا سرگروہ تھا۔ جب مرا تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بنا پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمرؓ نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ اس پر وحی اتری۔ ولا تصل علیٰ احد منھم یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا۔ کہ قرآن مجید مدوّن و مرتّب ہوا ورنہ حضرت ابوبکرؓ و زید بن ثابت (کاتبِ وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائیں صائب نکلیں ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے۔ اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا۔ تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بنجر گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں فتوحات آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حقوق و کارگذاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا حضرت عمرؓ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو جو ترجیح ہے۔ وہ محتاج دلیل نہیں۔

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک متعلق خاص خاص رائیں دیں اور سب صحیح نکلیں۔

اکثر کہا کرتے تھے

لا یعجبنکم من الرجل طنطنتہ	یعنی کسی کی شہرت یا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ
لا تنظروا الی صلوۃ امرء ولا صیامہ	یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ۔ بلکہ اس کی سچائی اور عقل
ولکن انظروا الی عقلہ وصدقہ	کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے انکے سامنے کسی کی تعریف کی۔ فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا

۱؎ ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:- ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرای عامتہم ان یقسمہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:- ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجماعۃ المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان یقسم الشام (کتاب مذکور صفحہ ۱۱۵)

نہیں پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں[5] احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی۔ اکثر محدثین جس شخص کو ظاہر میں زاہد اور پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایۃ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی لوگوں نے تعجب سے پوچھا آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ:۔

غرنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد یعنی اس بات نے مجھکو دھوکا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا[2]

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی اسلئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے رہتے۔ جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ[3]۔ فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ لیکن زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے۔ عبداللہ بن امر کا بیان ہے۔ کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی تھی۔ یونس، کہف، ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔ نماز جماعت کیساتھ پڑھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ میں اسکو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اسکو انجام دیتے۔ ایکدفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا وہ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو۔ تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اسقدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کا جزیہ کا حساب کیا۔ ایکدفعہ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ آیت فلیعبدوا رب ھذا البیت آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ نماز میں اسقدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایکدفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی۔ اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلعم غسل کا حکم

---

[1] یہ قول ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۷ میں نقل کیا ہے [2] فتح المغیث صفحہ ۱۲۸ [3] موطا امام مالک [4] ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۰ [5] ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲

[6] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۵۔

روزہ

دیا کرتے تھے۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے۔ لیکن انہی کی یہ بھی روایت ہے کہ ایک شخص کی نسبت سُنا کہ صائم الدہر ہے کہ اسکے مارنے کیلئے دُرہ اٹھایا۔ حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

حج

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے۔ اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابوموسیٰ تم یہ پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں یعنی ہم کو ثواب ملے نہ عذاب۔ ابوموسیٰ نے کہا "نہیں میں تو ہرگز اس پر راضی نہیں۔ ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں مرتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم اصلی الصلوٰۃ کلہا و اصوم

میں نے اپنی جان پر ظلم کئے ہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ مسلمان ہوں۔ اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں

بے تعصبی

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے۔ لیکن زاہد خشک نہ تھے اور آجکل کے مقدس لوگوں کی طرح تعصب اور تنگی نہ تھی۔ ہمارے علماء عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام شافعی اور امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ھذا من ماءٍ جئی بہ من عند نصرانیۃ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے۔ توضأ عمر من ماءٍ فی جر نصرانیۃ اور حضرت عمرؓ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اسکو کھاؤ۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آجکل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو۔ تو اس کو تین دن مہمان رکھیں۔ آجکل غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمرؓ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (یعنی وہ عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ "و از انجملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود"۔

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے

۱ ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۰۔ ۲ ازالۃ الخفا صفحہ ۸۰ جلد دوم ۳ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۸ جلد دوم ۴ ازالۃ الخفا صفحہ ۷۳ جلد دوم
۵ ازالۃ الخفا صفحہ ۷۳ جلد دوم

سے بہت منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب ریاض النضرۃ دیکھی ہے۔ وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ انکی روایتوں کا کیا پایہ ہے؟ ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں۔ کہ عراق، مصر و شام کا دفتر مالگزاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اس وجہ سے دفتر مالگزاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے شام کے حاکم کو لکھا کہ ایک رومی کو جو حساب جانتا ہو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بہ تصریح لکھا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا — ہمارے پاس ایک رومی بھیجو جو فرائض کے حساب کو درست کرے

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ میں نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگدلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے تھے۔ انکو سمجھنا چاہئے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں ہے۔ اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آ سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی مجلس میں اکثر مسائل علمی پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ایک دن اصحاب بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے شریک تھے) مجلس میں شریک تھے۔ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں بعض بالکل چپ رہے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا اس میں آنحضرتؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے محمدؐ! جب فتح و نصرت آ چکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے۔ اس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ بے شبہ خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے۔[1]

ایک دن اور صحابہ کا مجمع تھا۔ عبداللہ بن عباس بھی شریک تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس آیت کے معنی پوچھے۔ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ۔ لوگوں نے کہا خدا زیادہ جانتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ نہیں معلوم ہے۔ عبداللہ بن عباس آیت کے صحیح معنے جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھ کر کہا۔ صاحبزادے! اپنے آپکو حقیر نہ سمجھو۔ جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبداللہ بن عباس نے کہا خدا نے ایک کام کرنیوالے

[1] صحیح بخاری تفسیر اذا جاء۔ ۱۲۔

شخص کی تمثیل دی ہے۔ چونکہ یہ جواب ناتمام تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی۔ لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے۔ لیکن اس نے نافرمانی کی۔ تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرتؓ کے سامنے آئے۔ حضرت عمرؓ نے سزا دینی چاہی۔ انہوں نے کہا قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ آیت پڑھی:-

لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصّٰلحٰت جناح فیما طعموا۔ یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے۔ انہوں نے جو کچھ کھایا یا پیا ان پر الزام نہیں۔

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بدر و حدیبیہ خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہوں۔ اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں۔ جنہوں نے اچھے کام کئے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباس بولے کہ یہ معانی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی۔ ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔ یا ایھا الذین امنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے۔ وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نو عمر اور معمر کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے:-

وکان القراء اصحاب مجالس عمر و مشاورتہ کھولا کانوا او شبانا۔[1] یعنی حضرت عمر کے اہل مشورت اور اہل مجلس علما رہتے تھے۔ خواہ بوڑھے ہوں خواہ جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا۔ اور جو فقہ عمری کہلاتا ہے۔ انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے ارکان۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن عوف حر بن قیس تھے۔ حضرت عمر ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو انہیں مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب رتبہ والے وعلیٰ ہذا۔ لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص اُن لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم

[1] صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۱۰۷۰۔ [2] ازالۃ الخفا روایت حاکم صفحہ ۳۱۳۔

تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں[۱] اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ کم عمر تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے حضرت عمرؓ اُن کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی و زیادتی پر نہیں ہے[۲]۔ عبداللہ بن عباس اس وقت بالکل نوجوان تھے ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے انکی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا۔ جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے کسی شخص نے صحیح نہیں دیا[۳]۔ عبداللہ بن مسعود کی بھی نہایت عزت کرتے تھے ۲۱ھ میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں اُنکو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں" ۔ اور "میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ اُنکو اپنے پاس سے جُدا کرتا ہوں"۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا۔ تو اُن کی شان میں فرمایا:-

کنیف مُلِئ علماً یعنی دیگ ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص ان کا ہمسر نہ تھا تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے۔ جس طرح خود بزرگوں کیساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اُبی بن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان سے ڈرتے تھے۔ اُبی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیبت میں جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے۔ تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو عطا کرتے تھے[۴]۔ اسی طرح ابوعبیدہ، سلمان فارسی، عمیر بن سعد، ابوموسیٰ اشعری، سالم، ابودردا، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کئے گئے تھے۔ کہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے۔ لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بنا پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

ان کی قدر دانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا مقرر کیا کہ وہ پُرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں[۵]۔ خارجہ بن خذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بنا پر مقرر کئے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض[۶] تھے۔

لطیفہ:- ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ کوفہ میں جسقدر شعراء ہیں۔ اُنکے وہ اشعار

---

۱ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۶۶ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کان مجلس عمر منقصا من القراء ۲ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۱۹ ۳ فتح الباری صحیح بخاری شرح صحیح بخاری تفسیر اذا جاء نصر اللہ ۴ سیرۃ العمرین ابن جوزی ۵ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ ۶ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۷۔

جو انھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی اس نے یہ شعر پڑھا:۔

لقد طلبت هيناً موجوداً ۔۔۔ ارجزاً تريد ام قصيداً

تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی ۔۔۔ بولو! قصیدہ چاہتے ہو یا رجز

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا۔ وہ سورہ بقر لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں سے گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کردو۔ اغلب نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اس زمانہ میں جسقدر اہلِ کمال تھے مثلاً شعراء، خطباء، نساب، پہلوان، بہادر، سب ان کے دربار میں آئے اور انکی قدردانی کے مشکور ہوئے۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابوبکر صدیق کے زمانہ میں حضرت خالدؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف سے نکل جاتا زن و مرد اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا اور سب کو رلاتا جاتا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند شعر پڑھے۔ آخر کے شعر یہ تھے:۔

وكنا كندماني جذيمة حقبة ۔۔۔ من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) ۔۔۔ کے ندیموں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب جدا نہ ہونگے

فلما تفرقنا كاني ومالكا ۔۔۔ لطول اجتماع لم نبت ليلة معاً

پھر ہم دونوں جدا ہو گئے ۔۔۔ تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی

حضرت عمرؓ نے متمم سے خطاب کر کے کہا اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا اس نے کہا امیرالمومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔ اسی زمانہ میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساء تھی۔ اس کا دیوان آج بھی موجود ہے۔ جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علماء ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آجتک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا حضرت عمرؓ نے اس کو کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا پاس جا کر تعزیت و تسلی کی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ

قادسیہ میں شہید ہوئے۔ تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدیکرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا۔ اور قادسیہ کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا۔ تو سعد بن وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدیکرب پہلوانی کے ساتھ خطیب و شاعر بھی تھے۔ حضرت عمرؓ اکثر اُن سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدیکرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل ادب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں بتفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا:-

اخوک وربما خانک یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دے جاتا ہے۔

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا:

برد المنایا تخطی وتصیب یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بہک جاتے ہیں۔

ڈھال کی نسبت کہا:- علیہ تدور الدوائر اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجیب عجیب بلیغ فقرے استعمال کئے۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اُن کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

رسول اللہ کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہئے تو عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی۔ کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات قرب و بعد کا لحاظ ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی حضرت عباس و حضرت علی کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرتؐ سے نسب میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس و بنو نوفل پھر عبد العزیٰ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجہ میں پڑتا تھا۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے۔ لیکن اُن کی تنخواہیں اس حساب سے مقرر کیں۔ رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں جو سب سے زیادہ مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر

کہا فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلعم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]۔

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے ابتدائے خلافت میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمۃ الزہرا کا انتقال ہوچکا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ۔ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے[2]۔

لیکن جب رفتہ رفتہ حضرت علیؓ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہوگئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں انکو سپہ سالار بھی بنانا چاہا۔ لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے گئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثوم کو جو فاطمۃ الزہرا کے بطن سے تھیں انکے عقد میں دیدیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ان کے عادات و اخلاق کے بیان میں مورخوں نے وضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ در پیش ہے۔ خالد و امیر معاویہ سے بازپرس ہے۔ سعد وقاص، ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے۔ سر پر پھٹا سا عمامہ ہے۔ پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ پھر اس حالت میں یا تو کندھے پر مشک لئے جاتے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے۔ یا مسجد کے گوشہ میں فرش خاک پر لیٹے ہیں۔ اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔ بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا۔ لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم و بیش دار ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ احنف بن قیس رؤساء عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے۔ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا آؤ تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ کسی غلام کو حکم دیجئے کہ وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا ای عبد اعبد منی یعنے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے؟

رفتار و گفتار
عادات و اخلاق
سادگی

[1] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراہیۃ المحضر عمر [2] موطا امام محمد صفحہ ۳۸۶

موطا امام محمد[1] میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کیلئے سواری سے اُترے اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو بھول کر یا کسی مصلحت سے اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ ادھر اہل شام استقبال کو آرہے تھے جو آتا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ اور آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا اُن کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)

ایک دفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانہ میں میں اسقدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا وہ اس کے صلے میں مجھ کو چھوہارے دیتے تھے۔ وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔ یہ کہہ کر منبر سے اُتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا یہ اُسکی دوا تھی۔

[2]۲۳ھ میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ان سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا۔ اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا اے خدا اب میری عمر زیادہ ہو گئی۔ اور قوٰی کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔ اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا لیکن یہ اُنکی طبعی حالت نہ تھی۔ کبھی کبھی موقعہ ملتا تھا زندہ دلی کے اشتغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے۔ جب صبح ہونے لگی تو کہا اب قرآن پڑھو۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے ہمنشینوں کے ساتھ چہل کرتے اور حنظل کے دانے اچھالتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ صرف اسقدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رُکے لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی ظاہر نہ کی تو رباح نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ بھی سنتے رہے۔ جب صبح ہو چکی تو فرمایا کہ بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زاد راہ ہے۔ خوات[3] بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں میں حضرت عمرؓ کیساتھ تھا۔ ابو عبیدہؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ بھی ہمرکاب تھے لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے

زندہ دلی

[1] موطا امام محمد صفحہ ۳۴۶ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۸ [3] ازالۃ الخفا

اشعار گائیں۔ چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔ مزاج فطرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں تو قہر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک یہ اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا۔ ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لئے اگر ابوالبختری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں۔ تو انکو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں انکو تلوار کا مزہ چکھاؤنگا۔ آنحضرتؐ کو ان کی یہ گستاخی ناگوار گذری۔ حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو حفص (حضرت عمرؓ کی کنیت تھی) دیکھتے ہو؟ عم رسول اللہ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے۔ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور کہا اجازت دیجیے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔ حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں۔ حاطب بن بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے انہوں نے ایک دفعہ ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا۔ حضرت عمرؓ برافروختہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا۔ مجھ کو اجازت دیجیے کہ اس کو قتل کردوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ابن الخطاب تجھ کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو۔ کہ تم جو چاہو کرو میں سب کو معاف کردوں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے گستاخانہ کہا۔ کہ "محمدؐ! عدل اختیار کر"۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ اور چاہا کہ اس کو قتل کردیں لیکن حضرتؐ نے منع فرمایا۔ ان واقعات سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کس طرح ہر موقعہ پر ان کی تلوار نیام سے نکل پڑتی تھی۔ اور کافر تو کافر خود مسلمانوں کیساتھ ان کا کیا سلوک تھا لیکن اسلام کی برکت اور حضرت عمرؓ کے انحطاط اور خلافت کی مہمات نے انکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانہ میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے۔ آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے۔

ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازدواج اور اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جسقدر عزت کرنی چاہئے تھی نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے۔ کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے جب

قرآن نازل ہوا۔ اور اس میں عورتوں آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی چیز ہیں۔ تاہم اُنکو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔ اور اسی روایت میں ہے۔ کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت سُست کہا۔ انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اس پر کہا کہ اب تمہارا پہنچا۔ وہ بولیں تمہاری بیٹی رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی بیوی جمیلہ تھیں۔ ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے انکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ[1] کا زمانہ تھا اور حضرت عمرؓ قبا سے جہاں پہلے رہتے تھے۔ اُٹھ کر مدینہ میں آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے۔ عاصم بچوں کیساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی وہ آن کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ جھگڑے نے طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لئے وہ مجبور رہ گئے یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا۔ جیسا اور بندگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی انکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے۔ نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آیا تو فرمائش کی کہ زید کا مرثیہ کہو۔ مجھ کو تمہارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آرہے۔ یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرتے وقت وصیت کی تھی۔ کہ مکان بیچ کر ان کا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہ نے اسکو خریدا اور اور زر قیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لئے یہ مکان مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور[1] رہا۔

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی

[1] دیکھو خلاصۃ الوفا فی دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۹ و ۱۷۹ اور حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۲۷۲

کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خدمت کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے۔ کہ رسول اللہ نے مدینہ میں پہونچ کر ابو بکرؓ و عمرؓ کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا حضرت عمرؓ کے حصہ میں جو زمین آئی اس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلمبند کرا دیئے تھے۔ یہود بنی حارثہ سے بھی انکو زمین ہاتھ آئی تھی اور اس کا نام بھی ثمغ تھا۔ لیکن انہوں نے دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں۔ یہ زمین نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی۔ جو اس سے حاصل ہوگا۔ وہ فقراء ذوی القربیٰ۔ غلام۔ مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی اس پر حضرت علی کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہوگئی۔ جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کو روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ اس کو بھی پانچہزار درہم سالانہ مقرر ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اول اول زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دیتے تھے۔ تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اس کا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ صحیح البخاری باب المزارعۃ میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا نہایت سادہ تھی۔ معمولی روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو اکثر التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں۔ اور وہ یہ تھیں گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، مہمان یا سفرا آتے تھے۔ تو کھانے کی انکو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ

حضرت عمرؓ بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی نری عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوا تھا۔

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے۔ اس لئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا خشک ہو گئے تو وہی پہن کر نکلے لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے۔ اس باب میں انکی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جسکو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا۔ کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا۔ اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نہایت ناراض ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مو اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو پراگندہ نہ رہنا چاہیئے نہ پٹیاں جمانی چاہئیں حاصل یہ کہ نہ وہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے۔ نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔ تو ان کا قد سب سے نکلا ہوا تھا۔ رخسارے کم گوشت گھن کی داڑھی مونچھیں بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو جو باتیں نئی ایجاد کیں انکو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور انکو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں۔ کہ اول با آخر نسبتے دارد۔

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا

(۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کئے جو آجتک جاری ہے۔

(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا

(۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۷) دفتر مال قائم کیا۔

(۸) پیمائش جاری کی۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نہریں کھدوائیں۔

(۱۱) شہر آباد کرائے۔ یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ فسطاط، موصل۔

(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

(۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (اس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گذر چکی ہے)

(۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول

لگایا اور تحصیل مقرر کئے۔

(۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔

(۱۷) درہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ نکالا۔

(۲۰) جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی۔ جو اس وقت عرب میں نہ تھی۔

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔

(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔

(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔

(۲۸) مکاتب قائم کئے۔

(۲۹) معلموں اور مدرسوں کے روزینے مقرر کئے۔

(۳۰) حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا۔ اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

(۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا

(۳۳) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم اضافہ کیا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

(۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کیلئے اسی کوڑے مقرر کئے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ چنانچہ ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کیا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

(۴۲) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے

سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔ ان کے سوا اور بہت سی اولیات ہیں۔ جن کو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت عمر نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے۔ پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں سے تھے۔ یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ ۳ھ میں وفات پائی اور جناب رسول کو انکی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا۔ کہ آپ ان کے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمان کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں تھے۔ زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ ان کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت کی زوجہ مبارکہ ام سلمہ کی بہن تھیں چونکہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں اس لئے حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں انکو طلاق دیدی۔ تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھیں ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائی اور اسوجہ سے ۶ھ میں انکو طلاق دیدی۔ عبید اللہ انہی کے بطن سے ہیں۔ زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں۔ مدینہ منورہ پہنچ کر انصار میں قرابت پیدا کی یعنی ۷ھ میں عاصم بن ثابت ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے انکی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا جب وہ اسلام لائیں۔ تو آنحضرت نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔

اخیر عمر میں انکو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا باعث تھا۔ چنانچہ جناب امیر سے حضرت ام کلثوم کیلئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب انکار کیا۔ لیکن حضرت عمر نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔ حضرت عمر کی اور بیویاں بھی تھیں۔ یعنی

تفصیل ورق ۳۰۰ پر ملاحظہ ہو۔

ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی فکیہہ یمینیہ۔ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ حضرت عمر کی چچیری بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبد سے ہوا تھا اور عاتکہ چونکہ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ انکو بہت چاہتے تھے۔ عبداللہ غزوۂ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

فآلیت لا تنفک عینی حزینۃ　　　علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ　　　تیرے اوپر غمگین رہیگی اور بدن خاک آلود رہیگا

حضرت عمرؓ نے ۱۳ھ ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی بھی شریک تھے۔ عمر کے اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اسلئے زیادہ ممتاز ہیں کہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کیساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ تو وہ ۳ھ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے انسے حدیثیں روایت کی ہیں ۴۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں:۔ عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمن، زید، مجیر، ان میں سے عبداللہ زیادہ نامور ہیں۔ حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے تھے۔ بخاری و مسلم میں اُن کے مسائل اور روایتیں اکثر سے مذکور ہیں وہ حضرت عمر کیساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت کے ہمرکاب رہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں انکا حال تفصیل کیساتھ لکھا ہے جس سے اُنکے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے ایکدفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا۔ یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اسنے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جسنے انکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی

حاشیہ صفحہ ۲۹۹:۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتبر مورخوں نے بتفصیل لکھا ہے علامہ طبری نے تفسیر کبیر میں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کامل میں تصریح کیساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا حضرت عمر کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تصریح کی ہے۔ علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات میری نظر سے گذری ہیں اور ان سے بڑھکر تاریخی شہادت کیا ہو سکتی ہے ہمیں وہ عبارتیں رہیں موقع پر نقل کرتا ہوں ثقات ابن ذکر خلافت حضرت عمر و ...... ہے تزوج عمر بن ... ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم ... اسد الغابہ فی احوال الصحابہ ابن اثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کیساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جا بجا تصریح کی ہے جنکو کوئی بعض ... سے نظرانداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑھکر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقعہ پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے چادروں کو مدینہ میں تقسیم کیں ایک بچ رہی اس کی نسبت تردد تھا کہ کس کو دیجائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعطہا ابنۃ رسول اللہ صلعم التی عندک یعنی ام کلثوم۔ صحیح بخاری باب جہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳۔ اسمیں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں

نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی اور امیر معاویہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ میں دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں آپ آمادہ ہو جیئے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔ حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہا میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوی کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنیکا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہا کے یہ نام ہیں۔ خارجہ بن زید، عمرو بن الزبیر، سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبداللہ، سعید بن المسیب، قاسم محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبداللہ بن عمر ہوں دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہ ان کے بیٹے اور سالم پوتے اور نافع غلام تھے۔ حضرت عمر کے دوسرے بیٹے عبداللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔ تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے ۷۰ھ میں جب انہوں نے انتقال کیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر نے انکا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے :-

فلیت المنایا کن خلفن عاصماً　　فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً

کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی　　تاکہ سب ساتھ رہتے یا لیجاتی تو سب کو لیجاتی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور شعر خوب کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں۔ جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں، پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

لیس للہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے　　کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمرؓ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کیساتھ لکھے جاچکے ہیں جو تاریخی تصنیف کی صحت کی آخیر حد ہے۔ دنیا میں اور جسقدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں انکی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے

موجود ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کا فیصلہ کرنیکا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمرؓ کا کوئی ہم پایہ گذرا ہے یا نہیں؟

قانونِ فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائلِ انسانی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جدا رستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایکطرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں بمشکل سے جمع ہوتی ہیں بہت سے نامور گذرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت پاکیزہ اخلاق تھے۔ لیکن صاحب تدبیر نہ تھے۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے ؂

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور ان کی حیثیتوں پر نظر ڈالو صاف نظر آئیگا کہ وہ سکندر بھی تھے ارسطو بھی اور مسیح بھی تھے۔ اور لقمان بھی تھے تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی۔ امام ابوحنیفہ بھی تھے۔ اور ابراہیم ادہم بھی سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو دنیا میں جسقدر حکمران گذرے ہیں ہر ایک حکومت کی تہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا۔ تو دفعتہً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لیکر چلتا تھا اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے عباسیہ کی عظمت خاندان برامکہ کے دم سے تھی لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے انکو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کونسا پرزہ نکل گیا ہے؟ سعد وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا۔ اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گذرا جس کو ملکی ضروریات کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے تمام

واقعات کو چھان ڈالو۔ اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں ملتی۔

دنیا کے مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہاں مدت سے حکومت کے قواعد و آئین قائم تھے اور اس لیئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد قائم نہیں کرنی پڑی تھی قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے۔ یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا۔ ان حالات کیساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اسقدر ترقی دینی اور انکے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟ تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو جسکی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو فرش خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو، اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ اور دربار، نقیب، چاوش حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اسکے نام سے لرزتے ہوں۔ اور جس طرف رُخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے۔ جب انکا رعب قائم ہوتا تھا، عمر فاروقؓ نے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ لیا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا۔ کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا۔ اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود۔ ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہاد سے موازنہ کرو صاف مجتہد اور مقلد کا فرق نظر آئیگا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و آئمۂ فن پیدا ہوئے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی، رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو۔ حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اس پر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضاء و قدر، تعظیم شعائر اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی و نقلی ہونا، احادیث درجہ اعتبار۔ خبر احاد کی قابلیت احتجاج، احکام خمس و غنیمت یہ مسائل شروع اسلام سے آجتک معرکہ آرا رہے ہیں اور آئمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق ایک قدم بھی اس سے آگے

بڑھ سکا۔ تمام ائمہ فن نے یا انکی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔ اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیا کے سوا اور کون شخص ان کا ہم پایہ ہو سکتا ہے۔ زہد و قناعت، تواضع و انکساری، خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی، صبر و رضا، شکر و توکل، یہ اوصاف ان میں جس کمال کیساتھ پائے جاتے تھے۔ کیا لقمان، ابراہیم ادھم، ابوبکر شبلی، معروف کرخی میں اس سے بڑھکر پائے جاتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت عمرؓ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اس کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

سینۂ فاروق اعظمؓ را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ۔ در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باآنہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعدا۔ در درِ دیگر نوشیروانے باآنہمہ رفق ولین و رعیت پروری و دادگستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروق سوءِ ادب است) و در درِ دیگر امام ابوحنیفہ و امام مالکے بہ آں ہمہ قیام بہ علم فتوی و احکام۔ و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاؤالدین۔ و در درِ دیگر محدثے بروزن ابوہریرہ و ابن عمرؓ۔ و در درِ دیگر حکیمے مانند جلال الدین رومی یا شیخ فریدالدین عطار۔ و مردمان گرداگرد ایں خانہ ایستادہ اند و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست مے نماید و کامیاب مے گردد۔

شبلی نعمانی

مقام کشمیر

تمام شد

(چراغ الدین کاتب لاہور)